ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ
جنوری ۲۰۱۷ء

وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- اِصلاحِ مُعاشرہ کا قرآنی تصوّر
بانیٔ تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا!
ایوب بیگ مرزا

داعی رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیمِ اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
صفحات: 360، قیمت 475 روپے

حصہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
صفحات 321، قیمت 425 روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
صفحات 394، قیمت 485 روپے

حصہ پنجم سُورۃ مریم تا سُورۃ السّجدۃ
صفحات 480، قیمت 575 روپے

حصہ ششم سُورۃ الاحزاب تا سُورۃ الحجرات
صفحات 484، قیمت 590 روپے

حصہ ہفتم سُورۃ قٓ تا سُورۃ النّاس
صفحات 560، قیمت 650 روپے

یکے از مطبوعات: انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور

شائع کردہ: مکتبہ خدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَمِیۡثَاقَہُ الَّذِیۡ وَاثَقَکُمۡ بِہٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۫ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد :	66
شمارہ :	1
ربیع الثّانی	1438ھ
جنوری	2017ء
فی شمارہ	30/-

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک	300 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700 ' فون: 3-35869501
فیکس: 35834000' ای میل: maktaba@tanzeem.org
ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور
فون: 36316638 - 36366638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ——— 5

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا؟ — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القُرآن ——— 19

سورۃ القصص (آیات ۱ تا ۲۸) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تعمیرِ سیرت و کردار ——— 37

اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصور (۳) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دعوتِ فکر ——— 53

اہلِ اسلام کی غلطیاں
اور اسلام کا روشن مستقبل — محمد رشید عمر

انوارِ ہدایت ——— 66

اسلام ۔ دینِ وَسَط — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

حسنِ معاشرت ——— 73

غیبت کی حرمت و شناعت اور علاج — جمیل الرحمٰن عباسی

رفتارِ کار ——— 89

رودادِ سالانہ اجتماع ۲۰۱۶ء — محمد ایاز

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا!

تنظیم اسلامی پاکستان کا سالانہ اجتماع ۲۵ تا ۲۷ نومبر ۲۰۱۶ء کو مرکزی اجتماع گاہ بہاولپور میں منعقد ہوا۔ اجتماع کے تیسرے روز مرکزی ناظم نشرو اشاعت جناب ایوب بیگ مرزا صاحب نے ''سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا!'' کے عنوان سے موجودہ ملکی و عالمی حالات پر اپنا تجزیہ پیش کیا۔ رفقاء واحباب کے اصرار پر یہ تجزیہ میثاق کے صفحات میں بطور اداریہ پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ —— انتہائی عزیز ساتھیو! اگرچہ حسبِ سابق میرے ذمہ آپ کے سامنے عالمی حالات اور پاکستان کے مسائل پر گفتگو کرنا لگایا گیا ہے' لیکن اس مرتبہ جو عنوان باندھا گیا ہے وہ دلچسپ اور خوبصورت ہے اور وہ ہے ''سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا!'' آپ حضرات شاید کرارے اور مصالحہ دار افسانے سننے کی توقع کر رہے ہوں۔ ساتھیو! حقیقت یہ ہے کہ جب سے اُمت مسلمہ نے زمینی حقائق سے منہ موڑ کر افسانوں پر انحصار شروع کیا' یقیناً وہی وقت تھا جب ہمارے زوال کا آغاز ہوا' لیکن اتنی ذلت وخواری کے باوجود ہم بحیثیتِ امت کوئی سبق سیکھنے کے لیے تیار نہیں اور ابھی تک ہم ''پدرم سلطان بود'' کے نشے میں زمینی حقائق سے آنکھیں چرانے کا طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے ہیں۔ آیئے آج کے حقائق کو آنکھیں کھول کر دیکھنے اور کان کھول کر سننے کی کوشش کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے آباء جرأت مند' بہادر اور صاحبِ کردار لوگ تھے' انہوں نے جہاں عسکری قوت سے دشمنانِ اسلام کو گھائل کیا وہاں اعلیٰ اخلاق اور کردار کی پختگی سے دشمنوں کے دل و دماغ کو بھی اپنی طرف مائل کیا' لیکن یاد رکھیے' کسی قوم کی تاریخ متاثر تو کرتی ہے لیکن عملی طور پر ہر قوم کو وقت کی کسوٹی پر پرکھ کر ہی اُس سے معاملات کیے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر شاندار کسی قوم کا ماضی ہوگا حال میں اُتنا ہی بڑا چیلنج اُس کو درپیش ہوگا۔ وقت کی قوتیں اُس قوم پر سخت نگاہ رکھیں گی' اُسے دبانے بلکہ مٹانے کی کوشش کریں گی' کیونکہ وہ اُس کے ماضی کی وجہ سے اُس کی جوہری قوت سے آشنا ہوں گی اور کبھی یہ نہ چاہیں گی کہ وہ قوم

ماضی کی طرف لوٹ پائے اور وہ پھر زیر ہو جائیں۔

عالمی حالات کے حوالے سے میں سب سے پہلے شام کا ذکر کروں گا' کیونکہ اس دنیا کے حوالے سے مذہبی لوگ ہی نہیں اب سیکولر اور ملحد لوگ بھی سائنسی بنیادوں پر اس بات کے قائل ہوتے جارہے ہیں اور اُنھیں بھی دنیا کی بساط لپیٹ دینے کا وقت قریب آتا محسوس ہو رہا ہے۔ اس آخری دور میں شام کے کردار پر نبی کریم ﷺ کی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن میں سے میں یہاں صرف دو کا ذکر کروں گا۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث کے آخری الفاظ ہیں: ''پس جب فتنے رونما ہوں گے تو ایمان شام میں ہوگا''۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! ہمارے مکہ میں برکت دے' اے اللہ! ہمارے لیے برکت رکھ ہمارے مدینہ میں' اے اللہ! ہمیں برکت دے شام میں' اور برکت دے ہمارے صاع میں اور برکت رکھ ہمارے مُد میں''۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اور عراق میں؟ تو آپؐ نے توجہ دوسری طرف کر لی۔ ان صاحب نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔ وہ یہی کہتے رہے ''اور ہمارے عراق میں!'' تو آپؐ التفات نہ فرماتے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں شیطان کا سینگ طلوع (نمودار) ہوگا''۔ لہٰذا شام میں زمینی حقائق کچھ بھی ہوں' دشمنانِ دین جتنا چاہیں مسلمانوں کا خون بہالیں اور ظاہری طور پر وہاں حالات مسلمانوں کے لیے کتنے ہی ناموافق ہو جائیں' آپ ﷺ کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ! اس پر ہمارا ایمان سر کی آنکھوں سے نظر آنے والی ہر شے سے زیادہ ہے' لہٰذا شام کے حالات سے بالآخر امتِ مسلمہ کے لیے خیر برآمد ہوگی۔ ان شاء اللہ!

محترم رفقاء! شام کی موجودہ صورتِ حال کے حوالے سے تفصیل میں جانے سے پہلے عرب دنیا کے بارے میں انتہائی مختصر الفاظ میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ سے پہلے عرب دنیا کا نعرہ تھا کہ اسرائیل ایک ناسور ہے جسے نیست و نابود کر دینا اُن کا ہدف ہے۔ اِس جنگ میں بدترین شکست کے بعد اُن کی جدوجہد اسرائیل سے اپنے علاقے واپس لینے تک محدود ہوگئی۔ اب اُسی اسرائیل سے مطالبہ تھا کہ ہمارے علاقے واپس کرو! ۱۹۷۳ء کی جنگ مصریوں نے بڑی دلیری اور جرأت سے لڑی اور یہ حقیقت ہے کہ اگر امریکہ بیچ میں نہ کود آتا تو اسرائیل کو اپنی شکست واضح نظر آرہی تھی' لیکن امریکی امداد نے جنگ کا نقشہ بدل دیا اور عرب پھر شکست کھا گئے۔ اس شکست نے عربوں کے حوصلے پست کر دیے اور اُن کے اعصاب ٹوٹ گئے۔ ظاہری لحاظ سے مصر کے صدر انور سادات کا یہ کہنا غلط نہ تھا کہ ہم اسرائیل سے لڑ سکتے ہیں' امریکہ سے نہیں! لہٰذا سب سے پہلے اسرائیل کے حوالے سے مصر نے اپنا سر جھکایا اور اپنے سابقہ موقف

پر ایڑیوں کے بل لوٹتے ہوئے اسرائیل کو تسلیم کر لیا اور اُس سے سفارتی تعلقات قائم کر لیے۔ شروع شروع میں دوسرے عرب ممالک نے مصر کی مخالفت کی اور اُسے عرب لیگ سے نکال دیا گیا' لیکن آج کی حقیقت یہ ہے کہ عرب ممالک کی اکثریت اسرائیل کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنا چاہتی ہے۔ صدام حسین کا عراق کچھ مزاحمت کر رہا تھا' اُسے ملیامیٹ کر دیا گیا ہے۔ البتہ شام ابھی بھی اسرائیل سے گولان کی پہاڑیاں خالی کرنے پر اصرار کر رہا ہے۔ گویا شام کی اسرائیل کی مخالفت کوئی مذہبی بنیادوں پر نہیں بلکہ سیاسی اور قومی بنیادوں پر ہے۔

رفقاء گرامی! شام کی داستانِ خونچکاں بڑی لرزا دینے والی ہے۔ اہل شام پر زندگی موت سے بدتر ہو چکی ہے۔ تین لاکھ شامی مسلمان صرف حلب میں مارے جا چکے ہیں' لاکھوں یورپ کے مختلف ممالک میں دھکے کھا رہے ہیں۔ شام کے ماضی قریب کی تاریخ یہ ہے کہ اہل شام ۱۹۷۰ء کی دہائی سے ظلم وستم کی چکّی میں پسے جا رہے ہیں۔ اسد خاندان کا حافظ الاسد' جو علوی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا' شام پر مسلّط ہو گیا۔ وہ انتہائی ظالم اور جابر انسان تھا' کسی قسم کے عوامی احتجاج کو بُری طرح کچل دیتا تھا۔ ۱۹۷۳ء میں اُس کے خلاف ایک تحریک چلی۔ اُس نے اس تحریک کو کچلنے کے لیے عوامی اجتماعات پر اپنی فضائیہ کے ذریعے بمباری کی اور لاشوں کے ڈھیر لگا کر تحریک کو کچل دیا۔ ۱۹۸۰ء میں حافظ الاسد نے حمص اور حلب میں اپنے شہریوں پر بمباری کی اور اپنے سیاسی مخالفین کو خون میں نہلا دیا۔ گویا وہ اپنے مخالفین پر آنسو گیس یا لاٹھی چارج نہیں کرتا تھا بلکہ فضائیہ استعمال کر کے بمباری سے انہیں کچل دیتا تھا۔ ۲۰۰۰ء میں حافظ الاسد وفات پا گیا تو اُس کا بیٹا بشار الاسد اُس کی جگہ شام کا صدر بنا' اُس نے بھی ظلم وستم ڈھانے کی اپنے باپ کی پالیسی جاری رکھی۔

۱۸ دسمبر ۲۰۱۰ء میں تیونس سے ''عرب سپرنگ'' کا آغاز ہوا اور یہ مصر اور لیبیا میں ڈکٹیٹروں کی حکومتیں تاخت وتاراج کرتی ہوئی شام پہنچی۔ اِس عرب سپرنگ کے بارے میں یہ تاثر تھا کہ اِس کی پشت پر امریکہ ہے۔ شام میں بھی امریکہ نے چاہا کہ وہ بشار الاسد کا تختہ اُلٹ کر اپنا کوئی مہرہ تختِ شام پر بٹھا دے لیکن یہاں روس آڑے آیا۔ روس نے سلامتی کونسل میں امریکہ کی وہ قرارداد ویٹو کر دی جس کے مطابق شام کے بعض علاقوں کو ''NO Fly Zone'' قرار دیا جانا تھا۔ گزشتہ چند سالوں میں عالمی سطح پر حالات کے زیروزبر ہونے سے یہ صورت حال سامنے آئی کہ پیوٹن کی قیادت میں روس ایک بار پھر اُبھرا ہے۔ اگرچہ مشرقِ وسطیٰ سے امریکہ کو نکالنا تو ظاہر ہے ابھی اس کے بس کی بات نہیں' لیکن وہ شام کی پشت پر زوردار انداز میں کھڑا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شام میں طرطوس (Tartus) کی بندرگاہ اب مشرقِ وسطیٰ میں روس کا واحد بحری ٹھکانہ

ہے۔ عرب بہار' جو اب عرب خزاں بن چکی ہے' وہ تیونس میں زین العابدین کو' مصر میں حسنی مبارک کو' یمن میں عبداللہ صالح کو اور لیبیا میں کرنل قذافی کو روندتی ہوئی شام پہنچی تو بشار الاسد روسی آشیرباد پر ڈٹ گئے۔ شام کے صدر بشار الاسد جو صدر حافظ الاسد کے بیٹے ہیں' اہل تشیع کے علوی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ شام کا اقلیتی فرقہ ہے۔ اسد خاندان کے یہ باپ بیٹا انتہائی ظالم اور شقی القلب انسان ثابت ہوئے۔ انہوں نے اپنی حکومت کے استحکام کے لیے اکثریتی عوام پر بدترین مظالم ڈھائے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ عرب میں جب ڈکٹیٹروں کے خلاف عوامی تحریکیں شروع ہوئیں اور کامیابی سے تخت اُلٹ دیے گئے تو شام کے عوام بھی بشار الاسد کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ امریکہ' روس کے اتحادی بشار الاسد کو نکال کر مشرق وسطیٰ میں روس کے واحد بحری اڈے کو بھی چیلنج کرنا چاہتا تھا۔ علاوہ ازیں سعودی عرب جو مذہبی اختلاف کی وجہ سے شام کے بشار الاسد کا شدید مخالف ہے' امریکہ اپنے اس اتحادی (سعودی عرب) پر احسان جتا کر اسے مزید اپنا طفیلی بنانا چاہتا تھا' اور اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے اپنی بدترین دشمن تنظیم القاعدہ کی مدد بھی حاصل کی یا صحیح تر الفاظ میں شام میں باغی قوتیں تشکیل دینے میں اس کی مدد کی' اور دنیا کے سامنے Good Al-Qaida and Bad Al-Qaid کی اصطلاح سامنے آئی۔ یوں فری سیرین آرمی (F.S.A) وجود میں آ گئی۔

ادھر عراق میں صدر صدام کی حکومت ختم کر کے جو مالکی کی حکومت قائم کی گئی تھی' وہ بری طرح ناکام ہو گئی اور صدام کے دور کی بعث پارٹی کے ارکان اور سابق فوجیوں نے ایک جنگجو تنظیم ''داعش'' کے نام سے عراق میں قائم کر لی' جس نے دیکھتے ہی دیکھتے عراق کا بہت سا حصہ فتح کر لیا۔ اس تنظیم نے نظامِ خلافت قائم کرنے کا اعلان کر دیا اور اس کے سربراہ ابوبکر البغدادی نے خلافت کی بیعت لینا شروع کر دی۔ امریکہ نے مسلمانوں کو باہم لڑانے کا اچھا موقع سمجھا اور داعش کو خود پھلنے پھولنے کا موقع دیا اور اسے شام کی طرف بھی راستہ دے دیا تاکہ بشار الاسد کے خلاف تحریک تیز کی جائے۔ لیکن روس بشار الاسد کی پشت پر بھرپور انداز میں کھڑا تھا۔ روس شام میں جنگ پر اِس لیے بھی بہت توجہ مرکوز کر رہا ہے تاکہ امریکہ زیادہ سے زیادہ شام میں پھنس جائے اور یوکرائن میں اپنی حمایتی حکومت لا کر' امریکہ جو روس کا محاصرہ کرنے کی طرف بڑھ رہا تھا' اُس سے وہ مجبوراً رُک جائے۔

میری رائے میں اس مسئلہ پر امریکہ روس رابطہ ہوا اور امریکہ سمجھ گیا کہ روس بشار الاسد کی حمایت میں کسی حد تک بھی جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے رویے میں تبدیلی کی اور بشار الاسد کی حکومت گرانے سے زیادہ مسلمانوں کے باہم خون خرابے پر اپنی توجہ مرکوز کر دی۔ اب وہ کبھی

باغیوں کی مدد کر کے شام کی حکومت کو نقصان پہنچاتا ہے اور کبھی داعش پر حملے کر کے بشارالاسد کو تقویت پہنچاتا ہے تاکہ جنگ کسی انجام تک نہ پہنچے اور مسلمانوں میں باہمی قتل و غارت جاری رہے۔ اس جنگ کے حوالے سے دونوں بڑی طاقتیں یعنی امریکہ اور روس بدنیت ہیں' لہٰذا بار بار جنگ بندی ہوتی ہے اور ٹوٹ جاتی ہے۔ البتہ روس اور ایران واضح طور پر بشارالاسد کے حمایتی ہیں۔ روس داعش اور دوسرے باغیوں پر مسلسل فضائی حملے کر رہا ہے' جبکہ ایران بشارالاسد کی زمینی جنگ میں پوری مدد کر رہا ہے۔ سعودی عرب' ترکی اور مشرقِ وسطیٰ کے بعض ممالک شام میں باغیوں کی کھلم کھلا پشت پناہی کر رہے ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں سے جنگجو خلافت کے نام کی دلکشی کی وجہ سے داعش کی مدد کے لیے شام پہنچ رہے ہیں۔ تازہ ترین صورتِ حال یہ ہے کہ وہ داعش جو شام کے ۶۰ فیصد حصہ پر قابض ہو چکی تھی' اب پسپا ہوتی ہوئی صرف ۳۰ فیصد علاقے پر قابض ہے۔ وہ بھی زیادہ تر خالی علاقے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سوویت یونین کی شکست و ریخت کے بعد روس نے جو امریکہ کے آگے سر جھکا دیا تھا' پیوٹن کی جرأت مندانہ قیادت سے روس ایک بار پھر سر اُٹھا کر چلنے کے قابل ہو گیا ہے اور مختلف علاقوں میں امریکی سپر میسی کو چیلنج کر رہا ہے۔ جب یوکرائن میں امریکہ روس کی حمایتی حکومت کا تختہ اُلٹ کر اپنے حمایتی کو برسر اقتدار لایا تو روس نے آگے بڑھ کر اپنے اور یوکرائن کے ہمسائے کریمیا کو انیکس کر لیا۔

ایک بار پھر شام کی طرف لوٹتے ہوئے عرض کروں گا کہ امریکہ' نیٹو اور کچھ عرب ممالک نے ایک طرف تو شام میں داعش کے حوالے سے آنکھیں بند کر لیں اور دوسرا بشارالاسد کے مخالفین کے لیے ٹریننگ کیمپ بنائے۔ انہیں فضائیہ کے ذریعے اسلحہ پھینکا جو زیادہ تر داعش کے ہاتھ لگ گیا۔ امریکہ داعش کے حوالے سے بھی ڈبل گیم کر رہا ہے۔ ایک تو وہ شام اور عراق میں اُس کی کارروائیوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہے اور دوسری طرف وہ چاہتا ہے کہ دنیا بھر سے' خاص طور پر یورپ سے اُن مسلمانوں کو ایک جگہ اکٹھا کر سکے جو سیاسی اسلام کے قائل ہیں اور اِس کے لیے عسکری جدوجہد میں یقین رکھتے ہیں' تاکہ امریکہ اپنی اس خودساختہ تنظیم داعش سے خلافت کا خوبصورت اور دلکش نعرہ لگوا کر ان جمع ہونے والے لوگوں کو ایک ہی جگہ آسانی سے ختم کر سکے ' لیکن اُسے ختم کرنے سے پہلے اُس سے وہ تمام کام لیے جائیں جن کا مطلب یہ نکلتا ہو کہ اسلام ایک خونی مذہب ہے جو معصوم شہریوں کے خون سے ہاتھ رنگنے کی تعلیم دیتا ہے۔ شام میں اِس وقت تین گروہ باہم کشت وخون میں ملوث ہیں اور ایک دوسرے کی گردنیں مار رہے ہیں: (۱) بشار الاسد کی حکومت (۲) داعش (۳) ماڈریٹ حکومتی مخالفین۔ ان تینوں کو امریکہ اور روس اسلحہ بارود فراہم کر رہے ہیں۔ جدید دور میں شام واحد ملک ہے جہاں زہریلی گیس بطور ہتھیار استعمال ہوئی

جس سے بے شمار ہلاکتیں ہوئیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ فریقین اِس کا الزام ایک دوسرے پر ڈال رہے ہیں اور یہ طے نہیں ہو رہا کہ اصلاً یہ گیس کس نے استعمال کی تھی۔ شام کے حوالہ سے آخر میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ شام کے جن لوگوں نے یورپ ہجرت کی تھی یورپ نے شروع میں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اُنھیں پناہ دی اور اُن کے لیے کیمپ قائم کیے تھے' اب یہ کہہ کر کہ ان لوگوں سے ہمیں دہشت گردی کا خطرہ ہے' فرانس' بلجیم اور جرمنی میں ہونے والی دہشت گردی کا حوالہ دیتے ہوئے اب ان پناہ گزینوں سے دشمنوں والا سلوک ہو رہا ہے۔ بہرحال ہمیں یہ پختہ یقین ہے کہ اِس آخری دور میں شام میں ہونے والی اس اندھی جنگ سے مسلمانوں کے لیے خیر برآمد ہوگی اور یہ اسلام کے عالمی غلبہ کی بنیاد ثابت ہوگی۔ ان شاءاللہ!

اب آیئے افغانستان کی طرف۔ افغانستان میں اگرچہ طالبانِ افغانستان کو پے در پے کامیابی حاصل ہو رہی ہے' امریکہ کی فوج فضائی اڈوں میں محصور ہو چکی ہے' زمینی جنگ میں اُن کا حصہ اب نہ ہونے کے برابر ہے' وہ سارا انحصار فضائی حملوں پر کر رہا ہے' اور امریکہ عسکری ہی نہیں اخلاقی طور پر بھی پسپا ہو رہا ہے' لیکن یہ کہنا قبل از وقت ہوگا کہ افغان طالبان کے لیے میدان ہموار ہو گیا ہے۔ اُنھیں ابھی بہت سے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ اس حوالہ سے امریکہ کو ایک دھچکا لگا ہے۔ پاکستان اب افغانستان میں امریکی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے سے کترا رہا ہے۔ اس لیے کہ امریکہ خطے میں بھارت کو لیڈنگ رول دینے پر تُلا ہوا ہے اور پاکستان خصوصاً پاکستانی اسٹیبلشمنٹ اس کو قبول نہیں کر رہی۔ ستمبر ۲۰۱۱ء میں اقوام متحدہ کے عام اجلاس کے دوران امریکہ بھارت اور افغانستان کے سائیڈ پر ہونے والے مشترکہ اجلاس پر پاکستان نے اپنے شدید ردّعمل کا اظہار کیا تھا۔ خطے میں نئی صف بندی کے لیے روس نے چین اور پاکستان کو دسمبر کے تیسرے ہفتہ میں مشترکہ اجلاس کی دعوت دی ہے' جس میں افغانستان کا مسئلہ سرفہرست ہوگا' لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ چین اپنے صوبہ سنکیانگ میں مسلم آبادی کی وجہ سے' روس افغانستان کا ہمسایہ ہونے کی وجہ سے اور حکومت پاکستان خود پاکستان میں کسی اسلامی انقلاب سے خوفزدہ ہے' لہٰذا یہ نیا اتحاد بھی افغان طالبان کو کوئی کھلا میدان نہیں دے گا۔ یقیناً پاکستان' چین' روس اتحاد افغان طالبان کو امریکہ اور اُس کے اتحادیوں سے بہتر رول دینے پر آمادہ ہوں گے' لیکن وہ اکیلے افغانستان کے مقتدر اعلیٰ بن جائیں یہ انہیں بھی قبول نہ ہوگا۔ پاکستان کی سیاسی قیادت اتنی جرأت ہی نہیں رکھتی اور نہ ہی اس میں اتنی اہلیت اور سفارتی سوجھ بوجھ ہے کہ وہ روس اور چین کو سمجھا سکے کہ افغان طالبان افغانستان کا مقدر ہیں اور اُن کی افغانستان میں آزاد حکومت تخریب کاری اور دہشت گردی کو کسی صورت پنپنے نہیں دے گی بلکہ اُن کی دوستی اور دشمنی واضح اور برملا ہوگی اور افغانستان

کے لوگوں کو مدتوں سے جاری جنگ سے نجات حاصل ہوگی۔ جہاں تک ہماری عسکری قیادت کا تعلق ہے اگرچہ وہ ہر معاملہ بھارت کے حوالے سے دیکھتی ہے' پھر بھی اللہ جانے وہ یہ بات کیوں نہیں سمجھتی کہ افغانستان میں طالبان کی حکومت کا مطلب ہے کہ وہاں مشرک ہندوؤں کی مخالف اور پاکستان کے مسلمانوں کی دوست حکومت ہوگی اور پاکستانی فوج مغربی جانب سے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جائے گی۔ بہرحال افغان طالبان کا معاملہ فی الحال اس شعر کے مصداق ہے ؎

اک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اُترا تو میں نے دیکھا

میری رائے میں طالبان کا ملا اختر منصور کی شہادت کے بعد ایک ایسے شخص کو متفقہ طور پر اپنا امیر منتخب کر لینا جو فیلڈ کی بجائے علم اور درس و تدریس کے میدان کا آدمی ہے' انتہائی دانشمندانہ فیصلہ تھا۔ اس لیے کہ مُلّا عمرؒ جو اس تحریک کے بانی تھے' اُن کی وفات کی اچانک خبر سے اور مُلّا اختر منصور کو بلوچستان میں ڈرون کے ذریعے شہید کر دینے سے دشمنوں کو ایک نفسیاتی برتری حاصل ہوئی تھی اور عام مسلمانوں کے کیمپ میں افسردگی کے ساتھ ساتھ مایوسی کا معاملہ ہوا تھا' لہٰذا ایک ایسے شخص کو امیر بنایا گیا جس کی اگرچہ افغانستان میں بڑی عزت اور قدر و منزلت ہے لیکن وہ آج کل میدانِ جنگ میں سرگرم نہیں' دشمن کا اُن تک پہنچنا مشکل ہے' لہٰذا وقفہ وقفہ سے امیر کے شہید ہونے کی اس صورتِ حال سے بچنے کی یہ ایک اچھی کوشش ہے تاکہ دشمن نفسیاتی برتری بھی حاصل نہ کر سکے۔

اِس وقت عالمی سطح پر جو کھیل کھیلا جا رہا ہے اُس میں ہمارا یہ خطہ خصوصی اور مرکزی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اس لیے کہ دو دہائیاں پہلے سوویت یونین کے شکست و ریخت سے دوچار ہونے سے دنیا Uni-polar ہوگئی تھی یعنی گلیاں ہوگئی تھیں سونی اور امریکہ یار دندناتا پھر رہا تھا۔ لیکن پھر ہوا یوں کہ ایک طرف چین ایک اُبھرتی ہوئی طاقت بن کر سامنے آتا محسوس ہوا اور دوسری طرف پیوٹن نے اپنے وطن روس کو جھنجھوڑا۔ روس اور چین خصوصاً اس خطے کے حوالے سے قریب آئے اور امریکہ کی اس مصنوعی خدائی کو چیلنج کر دیا۔ خاص طور پر چینی معیشت کی بے لگام ترقی امریکہ کے لیے پریشان کن بننے لگی South China Sea جو اگرچہ فلپائن' تھائی لینڈ' ویت نام اور ملائیشیا سے بھی لگتا ہے لیکن اس کے پچانوے فیصد حصہ پر چین کا قبضہ ہے' اس کی اہمیت یہ ہے کہ بحرِ ہند (Indian Ocean) اور بحرالکاہل (Pacific Ocean) کو لنک کرتا ہے۔ چین اور امریکہ کی ساٹھ فیصد باہمی تجارت کا یہ شپنگ چینل ہے۔ اس میں تیل کے قدرتی ذخائر گیارہ بلین بیرل اور ۱۹۰ ٹریلین کیوبک فٹ نیچرل گیس ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کی دس فیصد فشنگ یہاں سے

ہوتی ہے۔ چین نے اِس میں آٹھ مصنوعی جزیرے بنا لیے ہیں۔ آس پاس کے دوسرے ممالک جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں' انہیں اس سے سلامتی کا خطرہ لاحق ہے۔ امریکہ اُن کے اِس خطرے کو خطے میں اپنی مداخلت کا عذر بنا رہا ہے۔

چین اپنی تجارتی ترقی کے لیے New silk route بنانا چاہتا ہے جو روس کی ایشیا سائیڈ سے شروع ہو کر گوادر اور مشرقِ وسطیٰ سے گزرتے ہوئے مشرقی یورپ تک پہنچ جائے گا۔ پاکستان کا ''سی پیک'' اِسی سلک روٹ کا حصہ ہے جس میں گوادر کی مرکزی حیثیت ہے۔ ایک بات نوٹ کر لیں کہ ۲۰۱۵ء میں امریکہ نے چین کو ۱۱۲ بلین ڈالر کا مال ایکسپورٹ کیا اور چین نے امریکہ کو ۴۸۴ بلین ڈالر کا مال فروخت کیا۔ لہٰذا اِس تجارت میں امریکہ کا خسارہ ۳۷۲ بلین ڈالر تھا۔ اِس سے اندازہ کریں کہ چین کس طرح معاشی جِن بنتا چلا جا رہا ہے۔ امریکہ اِس وقت چین کا کئی ٹریلین ڈالر کا مقروض ہے۔ سی پیک کو جو پاکستان کے لیے گیم چینجر کہا جا رہا ہے' اس کی تین بنیادی وجوہات ہیں: (۱) چین ۴۶ بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کر رہا ہے' جس سے پاکستانیوں کو نوکریاں ملیں گی' (۲) گوادر سی پورٹ فنکشنل ہونے سے دوبئی کی طرح گلوبل ہب (hub) بنے گا اور پاکستان کی تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ ہوگا' اور (۳) پاکستان کو راہداری ٹیکس سے کثیر زرِمبادلہ حاصل ہوگا۔

معاشی ماہرین کے مطابق اگر سی پیک قومی منصوبہ پر عمل درآمد ہو جاتا ہے بشرطیکہ پاکستان کو دیانت دار قیادت مل جائے جو اِس منصوبے کے ثمرات کو امانت سمجھتے ہوئے عوام تک پہنچا سکے تو عوام کی حالت بھی سدھرے گی اور پاکستان جو اس وقت قرضوں میں ڈوبا ہوا ہے اور اِس کی معیشت ہچکولے کھا رہی ہے' بہت جلد ایک خوشحال بلکہ مالی وسائل کے لحاظ سے امیر ملک بن سکتا ہے۔ ایک بات کو ذہن میں رکھیں کہ مالی طور پر خوشحالی اور عسکری قوت کا شروع ہی سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لہٰذا آج کے جدید ترین ٹیکنالوجی کے دور میں کسی کمزور معیشت کے حامل ملک کا عسکری لحاظ سے طاقتور اور مضبوط ہونا ناممکن ہے۔ معاشی ترقی ہی عسکری قوت کی اصل بنیاد سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا جب ریاست پاکستان ''لا الٰہ الا اللہ'' کے نعرہ پر معرضِ وجود میں آئی تو اسلام دشمن قوتوں خاص طور پر یہودیوں نے یہ کوشش کی کہ پاکستان اعلانیہ طور پر اپنی نظریاتی بنیاد سے منحرف ہو جائے' لیکن لیاقت علی خان نے دورۂ امریکہ کے دوران صہیونی لابی کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہہ کر کہ ''Gentlemen, our soules are not for sale'' اور پھر ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد منظور کر کے اعلانیہ طور پر اپنی نظریاتی بنیاد سے لاتعلقی اختیار کرنے سے انکار کر دیا' لیکن اِس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے کہ ہمارے اعلان اور ہمارے عمل میں زمین و آسمان کا فرق

آ گیا بلکہ تضاد آ گیا اور ہم پر دھن دولت کا بھوت سوار ہو گیا۔ دشمن نے اِس کا بھرپور فائدہ اُٹھایا' اور ہمیں قرضوں میں جکڑ کر اپنا غلام بنالیا۔

یہاں میں تھوڑی دیر کے لیے بات کا رُخ موڑ دوں گا۔ ہمارے ریٹائر ہونے والے جنرل راحیل شریف نے دو ایسے کام کیے ہیں جو اگرچہ وقت کی کمی اور سیاسی حکومت کے عدم تعاون کی وجہ سے ادھورے رہ گئے ہیں لیکن پھر بھی جب مؤرخ پاکستان کی تاریخ لکھے گا تو شاید قائداعظم کو بانی پاکستان لکھنے کے ساتھ ساتھ جنرل موصوف کو محافظِ پاکستان لکھے گا۔ انہوں نے ماضی کے جرنیلوں کے گناہوں کا مکمل طور پر نہ سہی کچھ نہ کچھ کفارہ ضرور ادا کر دیا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ماضی میں جرنیلوں نے پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ خود ساختہ فیلڈ مارشل ایوب خان نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا بیج بویا تھا۔ یحییٰ خان عیش و عشرت کی محافل سجانے آئے تھے۔ جنرل ضیاء الحق نے ذاتی اقتدار کے لیے اسلام کو استعمال کیا اور ایم کیو ایم جیسی تنظیم کو پالا پوسا جو پاکستان کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوئی۔ پرویز مشرف نے پڑوس میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست کو تہس نہس کرنے میں امریکہ کا ساتھ دیا تاکہ اس کا اپنا اقتدار مضبوط اور مستحکم ہو جائے۔ یہ ماضی کے ہمارے جرنیلوں کے گناہوں کی مختصر ترین روداد تھی۔ بہرحال راحیل شریف کا یہ عظیم کارنامہ تھا کہ انہوں نے کراچی کو ایک عفریت سے نجات دلا کر اس کے جسد کو لاحق ہونے والے ایک کینسر کو ۷۵ یا ۸۰ فیصد تک ختم کر دیا۔ اے کاش آنے والا سپہ سالار اور سیاسی حکومت اسی سمت اقدام اُٹھا کر کراچی کو ایک بار پھر روشنیوں کا شہر بنا دے۔

یہاں آپ کو یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ امریکہ' یورپ' بھارت اور اسرائیل نے کراچی کو اِس حالت تک پہنچانے کے لیے گزشتہ ۳۵ سال میں اربوں ڈالر خرچ کیے تھے۔ برطانیہ گزشتہ ۲۴ سال سے الطاف حسین کو پال پوس رہا ہے اور اس کی حفاظت بھی کر رہا ہے تاکہ کسی وقت انتہائی قدم اُٹھانے کے لیے اُسے استعمال کیا جا سکے۔ ان تمام ممالک کا کثیر سرمایہ اور ۳۵ سال تک اُن کی شب و روز کی محنت کو صرف اڑھائی تین سال میں مکمل طور پر نہ سہی کافی حد تک تباہ و برباد کر دینا جنرل راحیل شریف کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ پاکستان دشمنوں کا پروگرام یہ تھا کہ کراچی کے حالات اِس قدر بگڑ جائیں اور بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' اور امریکہ و برطانیہ کی خفیہ ایجنسیوں کے پاکستان کی اُن طاقتوں سے گٹھ جوڑ جنہوں نے بالآخر پاکستان مردہ باد کا نعرہ لگا کر اپنی اصل خواہش ظاہر کر دی تھی' کے نتیجے میں ایسا طوفان کھڑا کر دیا جائے کہ یہ قوتیں ریاستی قوتوں کو چیلنج کر دیں — اور بالآخر عالمی سطح پر یہ طے کر کے کہ اِس خطے میں خطرناک صورتِ حال پیدا ہو سکتی ہے' اقوامِ متحدہ کی فوجیں اُتار دی جائیں یا اُس تنظیم کی مدد سے کراچی کو الگ کر لیا جائے جو پہلے ہی

جناح پور کا نقشہ بنائے بیٹھی ہے۔ یہاں میں اس بات کی وضاحت کر دوں کہ جناح پور کے حوالے سے جن شخصیتوں کے تردیدی بیانات آئے تھے وہ اُس دور کی باتیں ہیں جب الطاف حسین یا ایم کیو ایم کے خلاف بات کر کے کراچی میں رہنا ممکن نہ تھا۔ وگرنہ کون نہیں جانتا کہ الطاف حسین نے جب ۱۴/اگست ۱۹۷۹ء کو پاکستان کا جھنڈا جلایا تھا تب اِس ایجنڈے کا آغاز ہوا تھا۔ بہرحال الحمد للہ! ان سب قوتوں کو کافی حد تک ناکام بنا دیا گیا ہے۔

جنرل راحیل شریف کا دوسرا کام سی پیک کی حفاظت کے لیے فوج میں باقاعدہ ایک نئی ڈویژن بنانا' ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اگر اس منصوبے کو دیانت داری سے عملی جامہ پہنایا گیا تو دشمنانِ اسلام کی وہ زبردست کوشش کہ پاکستان کو معاشی لحاظ سے دیوالیہ کر دو تاکہ عسکری قوت بھی ختم ہو جائے' ناکام ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ! بشرطیکہ مستقبل کی سیاسی اور عسکری قیادت راحیل شریف کے نقش قدم پر عزم اور ہمت کے ساتھ چل سکی۔ سی پیک منصوبے کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ہمیں بھارت کے رویے کو نوٹ کرنا ہوگا۔ یوں لگتا ہے صرف نریندر مودی ہی نہیں سارا ہندوستان ہی باؤلا بلکہ پاگل ہوا چاہتا ہے۔ ہندو بنیے نے ایران کی بندرگاہ چاہ بہار کے لیے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیے ہیں۔ لیکن اطمینان رکھیے چاہ بہار گوادر کے سامنے کوئی حیثیت نہ رکھے گی۔

بھارت اور پاکستان کا ذکر آئے تو کشمیر کا ذکر آنا لازم ہے۔ چار ماہ پہلے نوجوان وانی کی شہادت کے بعد شروع ہونے والی تحریک کو بھارت بدترین تشدد اور غیر انسانی حربے اختیار کر کے ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہے' لیکن سلام ہے کشمیریوں کو کہ وہ جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں' اُن کی آنکھیں اندھی کی جا رہی ہیں' لیکن وہ اپنی تحریک جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مودی کو اِس کا حل صرف یہ نظر آیا کہ LOC پر جھڑپوں کا سلسلہ شروع کر دیا جائے تاکہ دنیا کو یہ تاثر دیا جا سکے کہ کشمیر میں آزادی کی تحریک کی پشت پر پاکستان ہے۔ خدا جانے ہمارے حکمران کیوں نہیں سمجھتے کہ دشمن کے جارحانہ انداز کا منت ترلے سے کبھی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں ایک بات عرض کر دوں کہ اگر بھارت نے پاکستان فورسز کا کوئی سرونگ آفیسر جاسوسی کرتے ہوئے گرفتار کیا ہوتا' جیسے پاکستان نے کلبھوشن یادیو کو گرفتار کیا ہے' تو مودی اس پاکستانی آفیسر کو پنجرے میں بند کر کے ساری دنیا کا چکّر لگاتا اور کہتا دیکھو پاکستان ہمارے ساتھ کیا کر رہا ہے! لیکن ہمارے وزیراعظم نے آج تک یہ مقدس نام منہ سے نہیں نکالا۔ یقیناً راحیل شریف نے ہی اِس حوالہ سے بھی intiative لیا ہے اور بھارت کو زبانی اور عملی طور پر منہ توڑ جواب دیا ہے۔ ریٹائر ہونے سے چار دن قبل اُن کا یہ کہنا بھارت کے منہ پر تھپڑ کی حیثیت رکھتا ہے کہ مودی کو کیا معلوم ہو کہ سرجیکل سٹرائیک کیا ہوتی ہے۔ اگر پاکستان نے بھارت میں کبھی سرجیکل سٹرائیک کی تو بھارت کی آنے

والی نسل پاکستانی فوج کے کارنامے اپنے نصاب کی کتابوں میں پڑھے گی۔

ایک بات پر میں آپ سب کو مبارک باد دینا چاہتا ہوں‘ وہ یہ کہ پاکستان کی امریکہ کی غلامی میں کسی قدر یعنی معمولی ہی سہی لیکن کمی واقع ہو رہی ہے اور حالات جس سمت جا رہے ہیں اگر ہم نے کسی قسم کے پاگل پن کا مظاہرہ نہ کیا تو یہ غلامی بالآخر ختم ہو جائے گی‘ لیکن اس میں پاکستان کے سیاسی اور عسکری بڑوں کا کوئی رول نہیں یا نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ امریکہ کے بعض معاملات میں اپنے کمزور پڑنے کی وجہ سے یا روس اور چین کے علاقے میں طاقتور حریف بن کر اُبھرنے کی وجہ سے ہوا ہے‘ اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں ہے۔

امریکہ کا ذکر ہوا ہے تو ڈونلڈ ٹرمپ کا امریکی صدر منتخب ہونے پر تبصرہ ناگزیر ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ’’ٹرمپ جیت گیا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ ہار گئی‘‘۔ ٹرمپ نے منتخب ہونے کے لیے جو ہتھکنڈے اختیار کیے‘ آنے والے وقت میں امریکہ کی اِن ریاستوں کا متحد رہنا انتہائی مشکل ہو جائے گا۔ امریکی قوم ایک بداخلاق‘ بدذوق‘ بے حیا اور نفرت کے پرچارک شخص کو اپنا صدر منتخب کر کے خود بے نقاب ہوئی ہے۔ آج اگر ٹرمپ کو منتخب کر کے امریکی عوام نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہو چکے ہیں تو ۲۰۰۴ء میں جب جونیئر بش نے افغانستان اور عراق کو جھوٹے عذرات گھڑ کر تباہ و برباد کیا تھا‘ انسانوں کی بے شمار آبادیاں بے دردی سے ہلاک کر دی گئیں تھیں‘ تب امریکی عوام نے اس درندہ صفت انسان کو ووٹوں سے لاد دیا تھا‘ جس نے ثابت کیا تھا کہ ان کے یہ انسانی ہمدردی کے دعوے سب فراڈ ہیں۔ جنگلی جانوروں کے تحفظ کی انجمنیں بنانے والے خود بھیڑیے والی صفات رکھتے ہیں اور ایسے شخص کو پسند کرتے ہیں جو غیروں کو‘ چاہے وہ نہتے اور معصوم لوگ ہی کیوں نہ ہوں‘ خون میں نہلا دے۔ نوٹ کر لیجیے ٹرمپ سب سے زیادہ امریکہ کے لیے ضرر رساں ثابت ہوگا‘ لیکن یہ بھی یاد رکھیے کہ اگر اِس کی حریف ہیلری کلنٹن صدر بن جاتی تو میری رائے میں پوری دنیا کے امن کو شدید خطرات لاحق ہو جاتے۔ میری رائے میں پاکستان کے حوالے سے ٹرمپ نے کھلم کھلا جنگ کرنا تھی اور کرے گا‘ جبکہ ہیلری نے شکّر میں زہر ملا کر لیکن چہرے پر مسکراہٹ لا کر ہمیں پلانا تھی۔ بہرحال اب ہمارے ایٹمی اثاثہ جات امریکہ کے نشانے پر ہوں گے‘ اس لیے کہ اب امریکہ کے لاڈلے ناجائز بچے اسرائیل کو عدم تحفظ کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا ہے اور وہ مشرقِ وسطیٰ میں اپنے راستے سے تمام رکاوٹیں دور کر کے گریٹر اسرائیل کی راہ ہموار کر چکا ہے۔ اب وہ افغانستان میں امریکہ کی مجبوریوں کو بھی خاطر میں نہیں لائے گا۔ لہٰذا امریکہ کے لیے بہت مشکل ہے کہ وہ اسرائیل کی خواہش کو زیادہ دیر تک ٹالتا چلا جائے۔ اب اسرائیل کسی وقت بھی مسجد اقصیٰ پر حملہ کر کے عرب نوجوانوں کو مشتعل کرے گا اور پھر

شاید عرب کے حکمرانوں کے ہاتھوں اِن جوانوں کا خون بہایا جائے گا‘ جس سے ریاستیں مزید کمزور پڑیں گی۔ تب امریکہ کے ذریعے یا براہِ راست اسرائیل ان پر کاری اور آخری ضرب لگائے گا۔

اب آیئے پاکستان کے اندرونی حالات کی طرف۔ میں یہ بات پہلے بھی عرض کر چکا ہوں بلکہ تحریر کر چکا ہوں کہ دنیا بھر کے مقابلے میں جتنی سہولت اور آسانی پاکستان کے کالم نویسوں اور اداریہ نویسوں کو حاصل ہے کسی اور کو نہ ہوگی۔ یہاں روزانہ حالات بدلتے ہیں‘ روزانہ نئے اور منفرد قسم کے واقعات رونما ہوتے ہیں‘ گھنٹوں نہیں منٹوں کے وقفہ سے الیکٹرانک میڈیا قوم کو بریکنگ نیوز دے رہا ہوتا ہے‘ رہی سہی کسر ٹاک شوز نکال دیتے ہیں۔ لہٰذا لکھنے والے کے لیے مواد کے انبار لگے ہوتے ہیں‘ جس موضوع پر چاہے اور جتنا چاہے لکھے۔ اِس وقت اگر پاکستان کے اندرونی حالات پر مفصل تبصرہ کی کوشش کی جائے تو اُس کے لیے بہت وقت درکار ہوگا‘ لہٰذا میں صرف دو ’’لیکس‘‘ پر کچھ عرض کرنے پر اکتفا کروں گا‘ ایک پانامہ لیکس اور دوسری نیوز لیکس‘ جسے ڈان لیکس بھی کہا جاتا ہے۔

پانامہ لیکس میں نواز شریف فیملی پر کرپشن اور غیر قانونی طریقے سے دولت باہر بھیجنے کا الزام ہے اور نیوز لیکس میں ایک ایسی خبر بریک کی گئی جس کا مفہوم یہ تھا کہ پاکستان کی سول سیاسی حکومت کے بار بار کہنے کے باوجود افواجِ پاکستان خصوصاً ISI دہشت گردوں کی پشت پناہی سے باز نہیں آ رہی۔ ڈان اخبار کے ایک کالم نویس نے اس خبر پر مبنی ایک تفصیلی کالم لکھ دیا اور وہ اس اخبار میں شائع بھی ہو گیا۔ گویا جو الزامات امریکہ اور بھارت پاکستان کی خفیہ ایجنسی پر لگاتے ہیں وہ درست ہیں۔ اِس کالم کے مطابق قومی سلامتی کی میٹنگ میں ISI کے ڈی جی رضوان اختر اور پنجاب کے وزیراعلیٰ شہباز شریف کے درمیان تلخ جملوں کا تبادلہ بھی ہوا۔ وزیراعلیٰ پنجاب نے رضوان اختر صاحب سے کہا کہ ہم دہشت گرد پکڑتے ہیں اور آپ چھوڑ دیتے ہیں یا چھڑوا لیتے ہیں۔ پہلے اسی نیوز لیکس کے حوالے سے عرض کیے دیتا ہوں۔ یہ ایک دھماکہ خیز خبر تھی جس نے ملکی سطح پر ہی نہیں غیر ممالک میں بھی ہلچل مچا دی۔ دنیا بھر کے اخبارات نے اِسے شائع کیا اور اغیار نے اس کو گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے کے مترادف قرار دیا۔ فوج نے اِس پر شدید ردِّعمل کا اظہار کیا اور کور کمانڈرز کی میٹنگ میں اسے Serious National Security Breach قرار دیا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے آئین کے مطابق کسی حکومتی عہدے دار کا حکومتی راز کا افشاں ایک سنگین جرم ہے اور اس کی سزا موت ہے۔ فوجی قیادت نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ فوری طور پر اور ہنگامی بنیادوں پر اِس کی انکوائری کی جائے اور ذمہ داران کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ اس پر حکومت نے اپنے وزیر اطلاعات پرویز رشید‘ جو میاں نواز شریف کے انتہائی قریبی ساتھی اور راز داں ہیں‘ اُن سے

استعفاء طلب کر لیا۔ فوج نے اس پر بھی عدم اعتماد کا اظہار کیا اور سنجیدہ انکوائری کا مطالبہ کیا تو حکومت نے پہلے ٹال مٹول سے کام لیا' پھر ایک انکوائری کمیٹی قائم کر دی اور اس کی سربراہی ایک ایسے ریٹائرڈ جج کو دی جس کا شریف فیملی سے پرانا تعلق ہے اور اس وقت بھی اس کی بیٹی شریف میڈیکل کمپلیکس سے منسلک ہے۔ دوسرے ممبران کی تقرری کے بارے میں بھی غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کیا گیا۔ عام خیال یہ تھا کہ فوج اِس کمیٹی کو مسترد کر دے گی' لیکن فوج نے اس پر کم از کم اعلانیہ کوئی اعتراض نہ کیا اور کمیٹی کو قبول کر لیا۔ یہ افواہ گردش کر رہی ہے کہ وہ کالم نویس وعدہ معاف گواہ بن چکا ہے اور فوج کو حکومت کے اہم ترین لوگوں کے خلاف بیان ریکارڈ کرا چکا ہے۔

جہاں تک پانامہ لیکس کا تعلق ہے اس مسئلہ نے ساری قوم کو یرغمال بنایا ہے۔ میں اپنے عدالتی نظام کے حوالہ سے بڑے ادب سے عرض کروں گا کہ کیا خوب نظام ہے' کہ جب سپریم کورٹ میں عمران خان اور تحریک انصاف کی طرف سے اس پر انکوائری کرنے اور اس کے حقائق کو سامنے لانے کو کہا گیا جبکہ اُس وقت تک عمران خان نے اسلام آباد کو لاک ڈاؤن کرنے کا اعلان نہیں کیا تھا' تب سپریم کورٹ کے رجسٹرار نے' جو عدلیہ میں ایک اعلیٰ اور ذمہ دار عہدہ دار سمجھا جاتا ہے' یہ درخواست یہ کہہ کر واپس کر دی Rediclous and non serious یعنی مضحکہ خیز اور غیر سنجیدہ درخواست۔ اُس وقت بھی بعض لوگوں کو یہ اعتراض پیدا ہوا تھا کہ کسی درخواست کو واپس کر دینا رجسٹرار کا قانونی حق ہے اور وہ قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے جس درخواست کو چاہے entertain کرے اور جس کو چاہے رد کر دے' لیکن کسی درخواست پر رجسٹرار کو مضحکہ خیز اور غیر سنجیدہ جیسے سخت الفاظ لکھنے کا کیا قانونی اور اخلاقی حق ہے؟ بہرحال جب عمران خان کی دو نومبر کی کال کے حوالے سے ملک میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی' ملک میں مختلف مقامات پر آنسو گیس کا استعمال ہوا اور لاٹھی چارج ہوا' ایک زبردست قسم کی tension پیدا ہو گئی تو سپریم کورٹ نے خود ہی بڑھ کر یعنی از خود نوٹس لے کر اُسی درخواست کو ٹیک اپ کر لیا۔ اب اُس درخواست پر کیس چل رہا ہے۔ ہم اُس کیس کے حوالہ سے کوئی بات نہ کرنے پر مجبور ہیں' کیونکہ معاملہ sub judice ہے اور قانون کی رُو سے اس کا پوسٹ مارٹم کرنا جرم ہے' اگرچہ اس جرم کا ارتکاب ہر روز ٹی وی چینلز کے ٹاک شوز میں کیا جا رہا ہے۔ البتہ میں ایک نکتہ پر کچھ عرض کرنا چاہوں گا اور وہ ہے قطری شہزادے کا خط جو اچانک دورانِ سماعت ٹپک پڑا ہے۔ وہ اس لیے بھی کہ صدر پرویز مشرف کے حوالے سے بھی حال ہی میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ شاہ عبداللہ نے پرویز مشرف کے بینک اکاؤنٹ میں بھاری رقم ڈالی تھی' جسے پرویز مشرف نے تسلیم کیا اور انتہائی بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ میرے اور اُن کے ذاتی تعلقات کی بنیاد پر تھا' پاکستان کا اس سے کیا لینا دینا؟ یعنی ہمارے

کسی حاکم کو قطری شہزادے تحفہ میں بھاری رقم اور ہیلی کاپٹر دے رہے ہیں اور کسی کو سعودی عرب کا بادشاہ نواز رہا ہے۔ آپ کی توجہ دورِ نبوت کے اس واقعہ کی طرف مبذول کروا دوں جس کا مفہوم یہ ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے جانے والے ایک عامل نے کہا کہ یہ رقم لوگوں نے ریاست کو بطور زکوٰۃ دی ہے اور یہ تحائف یا رقم مجھے بطور تحفہ دی ہے۔ جس پر نبی اکرم ﷺ نے شدید غصہ سے فرمایا کہ اگر تم گھر بیٹھے رہتے تو کون تجھے تحائف وغیرہ دیتا؟ ہمارے حکمران فوجی ڈکٹیٹر ہوں یا منتخب سیاسی وزیراعظم' کشکول لیے دنیا بھر میں پھرتے ہیں' کچھ ملک کے خزانے میں ڈالتے ہیں اور باقی اپنے گھروں میں انڈیل لیتے ہیں۔ بقول حکومتی وزیر خواجہ آصف ''کوئی حیا ہوتی ہے' کوئی شرم ہوتی ہے!'' پانامہ لیکس کے بارے میں غیر جانبدار قانونی ماہرین کی رائے ہے کہ یہ open and shut کیس ہے' یعنی یہ سیدھا سادا کرپشن کا معاملہ ہے' اس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ پھر بھی ہمارا عدالتی نظام ایسا ہے کہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ فیصلہ کیا ہو۔ دسمبر میں چیف جسٹس آف پاکستان ریٹائر ہو رہے ہیں۔ نئے چیف جسٹس سب کچھ از سرِ نو کریں گے' لہٰذا کیس بڑی طوالت پکڑ سکتا ہے۔ بہرحال اِس کیس کا فیصلہ یہ فیصلہ کرے گا کہ آیا پاکستان میں کبھی کسی طاقتور شخص کا احتساب بھی ہو سکے گا یا صرف غریب لوگ اور صرف دو دو چار لاکھ کے فراڈ کرنے والے سرکاری ملازم ہی جیلوں میں سڑیں گے؟

ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگرچہ گزشتہ دو تین سال میں دہشت گردی اور کراچی کے حالات کے حوالے سے کافی بہتری ہوئی ہے' لیکن ابھی تک بہت سی وجوہات کی بنا پر' خاص طور پر معاشی لحاظ سے' پاکستان کے حالات دگرگوں ہی نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس قوم کو توفیق دے کہ وہ راہِ راست پر آ جائے۔ ہمارے نزدیک راہِ راست صرف اور صرف اللہ اور رسول ﷺ کا بتایا ہوا راستہ ہے' جس پر گامزن ہو کر نہ صرف پاکستان ایک خوشحال اور مثالی ریاست کی حیثیت اختیار کر سکتا ہے بلکہ اسے دنیا بھر میں ایک اعلیٰ امتیازی مقام حاصل ہو جائے گا اور مسلمانانِ پاکستان کی آخرت بھی سنور جائے گی' ان شاء اللہ!

❁ ❁ ❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں'
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الْقَصَص

تمہیدی کلمات

سورۃ الفرقان سے سورۃ السجدۃ تک آٹھ مکّی سورتوں کا گروپ چار چار سورتوں کے دو ذیلی گروپس میں منقسم ہے۔ ان میں سے پہلی چار سورتوں (سورۃ الفرقان‘ سورۃ الشعراء‘ سورۃ النّمل اور سورۃ القصص) میں مزاج کے اعتبار سے کافی مشابہت پائی جاتی ہے۔ سورۃ القصص اس ذیلی گروپ کی آخری سورت ہے۔ اس گروپ میں سے سورۃ الفرقان کو چھوڑ کر باقی تینوں سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔ سورۃ الشعراء اور سورۃ القصص دونوں طٰسٓمٓ سے شروع ہوتی ہیں جبکہ سورۃ النمل کا آغاز طٰسٓ سے ہوتا ہے۔ دوسرے ذیلی گروپ کی چاروں سورتوں (سورۃ العنکبوت‘ سورۃ الروم‘ سورۂ لقمان اور سورۃ السجدۃ) میں مضامین کی ہم آہنگی کے علاوہ باہمی مشابہت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان سب کا آغاز الٓمٓ سے ہوتا ہے۔

یہاں ضمنی طور پر حروفِ مقطعات کے سلسلے میں ایک یہ نکتہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ جن سورتوں کے آغاز کے حروفِ مقطعات میں ’’ط‘‘ آیا ہے ان سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ملتا ہے‘ مثلاً سورۂ طٰہٰ‘ سورۃ الشعراء‘ سورۃ القصص اور سورۃ النمل۔ اس کی وضاحت بعض اہل علم نے اس طرح کی ہے کہ عبرانی اور عربی زبان کے بنیادی حروف (alphabets) مختلف شکلوں سے اخذ کیے گئے ہیں (جیسا کہ چینی زبان کے حروف بھی شکلوں سے بنے ہیں‘ جبکہ بعض زبانوں کے حروف آوازوں سے بھی اخذ ہوئے ہیں)۔ اس لحاظ سے ’’ط‘‘ سانپ کی شکل سے مشابہ ہے (حرف کا نچلے والا حصہ سانپ کی کنڈلی سے مشابہ ہے جبکہ اوپر اٹھا ہوا ’’الف‘‘ اس کے پھن کی علامت ہے)۔ بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سانپ کی ایک خاص مناسبت ہے اور شاید اسی وجہ سے مذکورہ چار سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اس موقف کو سورۂ نٓ (اس سورت کا دوسرا نام ’’سورۃ القلم‘‘ بھی ہے) میں

حضرت یونس علیہ السلام کے ذکر سے بھی تقویت ملتی ہے۔ حرف ’’ن‘‘ کے بارے میں خیال ہے کہ اس حرف کی شکل مچھلی کی شکل سے اخذ کی گئی ہے (عام طور پر آج بھی ڈرائنگز اور پینٹنگز میں مچھلی کی شکل ایک ایسی ’’ن‘‘ سے مشابہ دکھائی جاتی ہے جس کا نقطہ ایک جانب لگا ہو) اور اسی وجہ سے حضرت یونس علیہ السلام کو ذوالنون (مچھلی والا) کا لقب دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ ’’نٓ‘‘ میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ’’صاحب الحوت‘‘ (مچھلی والا) کے لقب سے آیا ہے اور وہاں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچا دیا تھا۔ بہرحال اس طرح بعض حضرات نے حروفِ مقطعات میں سے بعض حروف کی مناسبت متعلقہ سورتوں کے بعض مضامین سے ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ (مثلاً بعض حضرات کے نزدیک طٰسٓ میں ’’طورِ سینا‘‘ کی طرف اشارہ ہے اور طٰسٓمٓ میں ’’طورِ سینا اور موسیٰؑ‘‘ کی طرف۔)

سورۃ القصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ابتدائی دور کے حالات و واقعات ملتے ہیں۔ آپؑ کے حالات قرآن میں بہت تفصیل اور بہت تکرار سے بیان ہوئے ہیں۔ ان حالات و واقعات کی تقسیم سورتوں کے حوالے سے اس طرح نظر آتی ہے کہ آپؑ کی زندگی کے آخری دور کے حالات سورۃ البقرۃ اور سورۃ الاعراف میں بیان ہوئے ہیں۔ درمیانی دور کے واقعات سورۂ طٰہٰ (اس سورت کے آٹھ میں سے پانچ رکوع آپؑ کے حالات پر مشتمل ہیں)‘ سورۃ الشعراء اور سورۃ النمل میں ملتے ہیں‘ جبکہ بالکل ابتدائی دور کے حالات کی تفصیل زیرمطالعہ سورت یعنی سورۃ القصص میں آئی ہے۔ قرآن کے اب تک کے مطالعہ کے دوران ہم یہ واقعہ بار بار پڑھ چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے مصر واپس آ رہے تھے تو آپؑ کو راستے میں نبوت سے سرفراز فرمایا گیا‘ لیکن آپؑ مصر سے مدین کیسے پہنچے تھے؟ یہ تفصیل ہمیں اب اس سورت میں ملے گی۔

آیات ۱ تا ۱۳

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى
وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ
اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ

نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۴ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ
اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ
فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝۶
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ
وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷ فَالْتَقَطَهٗٓ
اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا
كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝۸ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى
اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى
فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا
يَشْعُرُوْنَ ۝۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى
اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝۱۲ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ
عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ ؑ

آیت۱ ﴿طٰسٓمّٓ ۝۱﴾ ’’ط‘ س‘ م۔‘‘

آیت۲ ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲﴾ ’’یہ کتابِ روشن کی آیات ہیں۔‘‘

آیت۳ ﴿نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳﴾ ’’ہم سناتے ہیں آپؐ کو موسیٰؑ اور فرعون کے کچھ احوال حق کے ساتھ‘ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔‘‘

گویا سورت کا آغاز ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے ہو رہا ہے۔

آیت۴ ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ ’’یقیناً فرعون نے بہت سرکشی کی تھی زمین (مصر) میں‘‘

﴿وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا﴾ ’’اور اُس نے تقسیم کر دیا تھا اس کے باسیوں کو گروہوں میں‘‘

فرعون نے مصر کے عوام کو دو طبقوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک طبقہ حاکم تھا اور دوسرا محکوم۔ یعنی قبطی قوم حاکم تھی جبکہ بنی اسرائیل ان کے محکوم تھے۔

﴿يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ﴾ ’’اس نے دبا رکھا تھا ان میں سے ایک گروہ کو‘‘

بنی اسرائیل کو اس نے محکومی اور غلامی کے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا اور ان پر وہ بہت سختی کا برتاؤ کرتا تھا۔

﴿يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ﴾ ’’وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔‘‘

﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۴﴾ ’’یقیناً وہ فساد مچانے والوں میں سے تھا۔‘‘

آیت۵ ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ ’’اور ہم نے ارادہ کیا کہ ہم احسان کریں ان لوگوں پر جو زمین میں دبا دیے گئے تھے‘‘

یعنی ہم نے بنی اسرائیل کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا جنہیں مصر میں مسلسل ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔

﴿وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵﴾ ’’اور (ہم نے چاہا کہ) ہم انہیں امام بنا دیں اور انہی کو ہم وارث بھی بنائیں۔‘‘

آیت۶ ﴿وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ ’’اور ہم تمکّن عطا کریں ان کو زمین میں‘‘

ہم نے فیصلہ کیا کہ دنیا میں ہم بنی اسرائیل کو حکومت‘ طاقت اور سربلندی عطا کریں گے۔

﴿وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝۶﴾ ’’اور ہم دکھا دیں فرعون‘ ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ کچھ جس سے وہ ڈرتے تھے۔‘‘

ہامان فرعون کا وزیر تھا۔ ان لوگوں کو بنی اسرائیل کی طرف سے کیا خطرہ تھا؟ اس کے بارے میں دو توجیہات ملتی ہیں۔ ان میں سے جو توجیہہ ہماری تفسیری روایات میں بہت تکرار سے بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا جس سے اسے یہ اشارہ ملا کہ اسرائیلیوں کے ہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو اسے اور اس کی سلطنت کو ختم کر دے گا۔ چنانچہ اس نے اسرائیلیوں کے ہاں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر اُس نے اپنے اس فیصلے پر سختی سے عمل درآمد بھی کروایا۔ یہ روایت تلمود میں بیان ہوئی ہے (اور تلمود سے ہی ہماری تفسیری روایات میں آئی ہے) لیکن نہ تو اس کا ذکر تورات میں کہیں ملتا ہے اور نہ ہی قرآن میں ایسا کوئی اشارہ موجود ہے۔ (البتہ اس سے ملتے جلتے ایک خواب کا ذکر

انجیل میں ضرور ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے زمانے میں متعلقہ علاقے کے یہودی بادشاہ نے دیکھا تھا اور اس خواب کے بعد وہ بادشاہ آپؑ کی جان کے درپے ہو گیا تھا۔)

اس سلسلے میں دوسری توجیہہ البتہ منطقی اور عقلی نوعیت کی ہے اور وہ یہ کہ فرعون اور اس کے مشیروں کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ بنی اسرائیل کی تعداد بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے اور اگر ان کی تعداد میں اسی رفتار سے اضافہ ہوتا رہا تو بہت جلد یہ لوگ ان کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں اور اسی خدشے کے پیش نظر انہوں نے اسرائیلیوں کی نرینہ اولاد کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ بالکل اسی نوعیت کی ایک سوچ ماضی قریب میں ہندوستان کے اندر مسلمانوں کے خلاف بھی پیدا ہوئی تھی‘ جب ہندوؤں کو بھی بالکل ایسا ہی اندیشہ لاحق ہوا کہ مسلمانوں کی تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور اس طرح یہ لوگ مستقبل میں ان کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی اندیشے کے تحت اندرا گاندھی کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کی جبری نس بندی کے لیے طرح طرح کے حربے آزمائے گئے۔ اور پھر اسی کے ردِعمل کے طور پر مسلمانوں نے انتخابی معرکے میں کانگرس کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کیا اور یوں اندرا گاندھی کو اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑے۔

بہرحال اس حوالے سے ان دونوں توجیہات کا اپنی اپنی جگہ پر درست ہونے کا امکان بھی ہے۔ یعنی ممکن ہے فرعون اسرائیلیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے بھی خائف ہو اور اس نے ایسا کوئی خواب بھی دیکھا ہو جس سے اسے اپنا اقتدار ڈولتا ہوا محسوس ہوا ہو۔ واللہ اعلم!

آیت ۷ ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ﴾ ’’اور ہم نے وحی کر دی موسیٰؑ کی والدہ کو کہ تم اسے دودھ پلاتی رہو۔‘‘

﴿فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ﴾ ’’اور جب تمہیں اس کے بارے میں اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور نہ خوف کھانا اور نہ رنجیدہ ہونا۔‘‘

کہ جب تمہیں معلوم ہو کہ حکومتی کارندے تلاشی کے لیے آ رہے ہیں اور پکڑے جانے کا امکان ہے تو بلاخوف وخطر بچے کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔

﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۷﴾ ’’ہم اسے لوٹانے والے ہیں تمہاری طرف اور اسے بنانے والے ہیں رسولوں میں سے۔‘‘

آیت ۸ ﴿فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ﴾ ’’تو اُسے اٹھا لیا فرعون کے گھر والوں نے‘‘

’’لُقطہ‘‘ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کہیں گری پڑی ہو اور کوئی اسے اٹھا لے۔ فقہ کی کتابوں میں ’’لُقطہ‘‘ کے بارے میں تفصیلی احکام و مسائل ملتے ہیں۔

﴿لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ﴾ ’’تاکہ وہ بن جائے ان کے لیے دشمن اور پریشانی (کا باعث)۔‘‘

اس کا یہ مطلب نہیں کہ بچے کو دریا سے نکالتے ہوئے ان کا یہ مقصد تھا یا انہیں معلوم تھا کہ ایسے ہوگا‘ بلکہ مراد یہ ہے کہ بالآخر اس کا جو نتیجہ نکلا وہ یہی تھا کہ وہ بچہ ان کے لیے تکلیف اور پریشانی کا باعث بن گیا۔

﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۸﴾ ’’یقیناً فرعون‘ ہامان اور ان کے سب لشکر (اپنی تدبیر میں) خطاکار تھے۔‘‘

آیت ۹ ﴿وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ۭ﴾ ’’اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا میرے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی۔‘‘

﴿لَا تَقْتُلُوْهُ ۡ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ ’’تم اسے قتل مت کرو‘ کیا عجب کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں‘‘

یہ بالکل وہی الفاظ ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں عزیز مصر کی بیوی نے کہے تھے (یوسف:۲۱)۔

﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۹﴾ ’’اور وہ (انجام سے) بالکل بے خبر تھے۔‘‘

انہیں اس وقت کوئی اندازہ ہی نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہے تھے اور ان کے اس فیصلے کا کیا نتیجہ نکلنے والا تھا۔

آیت ۱۰ ﴿وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ﴾ ’’اور (ادھر) موسیٰؑ کی ماں کا دل حوصلہ چھوڑ بیٹھا۔‘‘

ان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لے رہے تھے اور شدتِ غم سے جذبات میں ایسا ہیجان برپا تھا کہ دل اُڑا جا رہا تھا۔

﴿اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۱۰﴾

''قریب تھا کہ وہ اس (راز) کو ظاہر ہی کر دیتی اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا' تا کہ وہ ہو جائے ایمان والوں میں سے۔''

اگر ہم نے اس کی ڈھارس نہ بندھائی ہوتی تو وہ اپنی اس اضطراری کیفیت میں خود ہی بھانڈا پھوڑ دیتی۔

آیت ۱۱ ﴿وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۚ﴾ ''اور اُس نے موسیٰؑ کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا!''

﴿فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑪﴾ ''تو وہ اس کو دُور سے دیکھتی رہی اور انہیں احساس بھی نہ ہوا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن اپنی والدہ کے کہنے پر دریا کے کنارے کنارے صندوق پر دھیان رکھے اس انداز سے چلتی رہی جیسے صندوق سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اس طرح وہ بچے کے پیچھے پیچھے بڑی ہوشیاری سے فرعون کے محل میں پہنچ گئی۔ لیکن اس نے اپنے انداز سے وہاں بھی یہی ظاہر کیا جیسے وہ ایک راہ چلتی بچی ہے جو دریا میں تیرتے ہوئے صندوق کو دیکھنے کے لیے اِدھر تک پہنچ گئی ہے اور یوں وہاں کسی کو اس کی اصل منصوبہ بندی کے بارے میں گمان تک نہ ہوا۔

آیت ۱۲ ﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور ہم نے اس پر پہلے ہی حرام کر دی تھیں تمام دودھ پلانے والی عورتیں''

یہ سب کچھ اس بچی کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ یعنی یکے بعد دیگرے دودھ پلانے والی بہت سی خواتین کو بلایا گیا تھا مگر بچے نے کسی کی چھاتی کو منہ نہیں لگایا تھا۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۳۹ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپنے کی من موہنی صورت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ﴾ کہ میں نے تم پر اپنی محبت کا پَرتَو ڈال دیا تھا۔ چنانچہ وہ سب لوگ آپؑ کی صورت کے گرویدہ ہو رہے تھے مگر ساتھ ہی سخت تشویش میں مبتلا بھی تھے کہ آپؑ کی خوراک کا کیا انتظام کیا جائے۔ کسی خاتون کا دودھ آپؑ قبول ہی نہیں کر رہے تھے اور اس زمانے میں بچے کو دودھ پلانے کا کوئی دوسرا طریقہ تھا ہی نہیں۔

﴿فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ⑫﴾

''تو اُس لڑکی نے ان سے کہا: کیا میں تمہیں ایک ایسے گھر والوں کے بارے میں بتاؤں جو تمہارے لیے اس کی پرورش کر دیں اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں؟''

آیت ۱۳ ﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا﴾ ''تو یوں ہم نے اُسے لوٹا دیا اُس کی والدہ کے پاس' تا کہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں''

﴿وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ ''اور وہ رنجیدہ نہ ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے''

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہارے بیٹے کو تمہارے پاس واپس لے آئیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس حوالے سے اسے اطمینان دلانا چاہتا تھا کہ اس نے وہ وعدہ سچ کر دکھایا ہے۔

﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑬﴾ ''لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

آیات ۱۴ تا ۲۱

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ⑭ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۚ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَي الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۡ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ⑮ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑯ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ⑰ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَاۗىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۭ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ⑱ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۚ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ⑲ وَجَاۗءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ

فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ ۚ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝

آیت ۱۴ ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤی اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ﴾ ''اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچ گیا اور ہر لحاظ سے توانا ہو گیا تو ہم نے اُسے حکم اور علم عطا فرمایا۔''

یعنی جب آپؑ کے ظاہری اور باطنی قویٰ پورے اعتدال کے ساتھ استوار ہو گئے اور آپؑ پختگی کی عمر کو پہنچ گئے تو آپؑ کو خصوصی علم و حکمت سے نوازا گیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے نبوت مراد ہے' مگر عمومی رائے یہی ہے کہ نبوت آپؑ کو بعد میں ملی۔

﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۝﴾ ''اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو۔''

آیت ۱۵ ﴿وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا﴾ ''اور (ایک روز) وہ شہر میں داخل ہوا ایسے وقت جبکہ اس کے باسی غفلت میں (پڑے سو رہے) تھے''

حضرت موسیٰ علیہ السلام شاہی محل میں رہتے تھے اور عام طور پر شاہی محلات عام شہری آبادی سے الگ علاقے میں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ کے شہر میں آنے کا یہاں خصوصی انداز میں ذکر ہوا ہے۔ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو آپؑ علی الصبح شہر میں آئے ہوں گے جب لوگ ابھی نیند سے بیدار نہیں ہوئے تھے یا پھر وہ دوپہر کو قیلولے کا وقت تھا۔

﴿فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ۫﴾ ''تو اُس نے وہاں پایا دو اشخاص کو آپس میں لڑتے ہوئے''

﴿هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ﴾ ''ایک اُس کی اپنی قوم میں سے تھا اور دوسرا اُس کے دشمنوں میں سے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں شہر میں ایک اسرائیلی اور ایک قبطی کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا۔

﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ﴾ ''تو مدد مانگی موسیٰؑ سے اُس نے جو اُس کی قوم میں سے تھا اُس کے خلاف جو اُس کی دشمن قوم سے تھا''

﴿فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ ۫﴾ ''تو موسیٰؑ نے اُس کو ایک مُکّا رسید کیا اور اس کا

کام تمام کر دیا''

﴿قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ۝﴾ ''(یہ دیکھتے ہی) وہ پکار اٹھا کہ یہ تو شیطان کا عمل ہے۔ یقیناً وہ دشمن ہے' کھلا گمراہ کرنے والا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیت تو قتل کرنے کی نہیں تھی لیکن اتفاق سے ضرب زیادہ شدید تھی اور وہ شخص مر گیا۔ یہ حرکت سرزد ہوتے ہی آپؑ کو فوراً احساس ہوا کہ یہ مجھ سے شیطانی کام صادر ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپؑ نے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔

آیت ۱۶ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ﴾ ''عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں تو اپنی جان پر ظلم کر بیٹھا ہوں' پس تُو مجھے بخش دے' تو اللہ نے اُسے بخش دیا۔''

﴿اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۝﴾ ''یقیناً وہی ہے بڑا بخشنے والا' رحم فرمانے والا۔''

آیت ۱۷ ﴿قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ۝﴾ ''اُس نے کہا: پروردگار! بسبب اس احسان کے جو تو نے مجھ پر کیا ہے (میں عہد کرتا ہوں کہ) اب میں کبھی مددگار نہیں بنوں گا مجرموں کا۔''

یعنی چونکہ تو نے مجھے معاف فرما کر مجھ پر احسان فرمایا ہے' لہٰذا میں عہد کرتا ہوں کہ میں آئندہ کبھی بھی کسی غلط کار شخص کا حمایتی نہیں بنوں گا۔

[مفسّرین نے لکھا ہے کہ اسی روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی حکومت سے قطع تعلق کر لینے کا فیصلہ کر لیا' کیونکہ وہ ایک ظالم حکومت تھی اور اُس نے اللہ کی زمین پر ایک مجرمانہ نظام قائم کر رکھا تھا۔ (اضافہ از مرتّب)]

آیت ۱۸ ﴿فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ﴾ ''تو اُس نے صبح کی شہر میں (اس کیفیت میں) کہ وہ خوف زدہ بھی تھا اور چوکنا بھی''

ظاہر ہے قتل کے بعد شہر میں ہر طرف قاتل کو ڈھونڈنے کی دھوم مچی ہو گی۔ ہر طرح سے تفتیش و تحقیق ہو رہی ہو گی۔ چنانچہ آپؑ خوفزدہ بھی تھے کہ کہیں راز نہ کھل جائے اور محتاط و متجسّس بھی۔

﴿فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ﴾ ''تو اچانک (اُس نے دیکھا

کہ) جس شخص نے کل اُس سے مدد مانگی تھی وہی آج پھر اس سے فریاد کر رہا ہے۔''

وہی شخص آج پھر کسی سے اُلجھا ہوا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اس نے پھر آپؑ کو مدد کے لیے پکارنا شروع کر دیا۔

﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۸﴾ ''موسیٰؑ نے اس سے کہا کہ (معلوم ہوتا ہے) تم ہی ایک کھلے ہوئے شریر آدمی ہو۔''

کہ کل بھی ایک قبطی سے تمہاری لڑائی ہو رہی تھی اور آج پھر تم نے کسی سے جھگڑا مول لے رکھا ہے۔ لگتا ہے تمہاری فطرت ہی ایسی ہے اور تم ہر کسی سے زیادتی کرتے ہو۔

آیت ۱۹ ﴿فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ﴾ ''پھر جب اُس نے پکڑنا چاہا اُس کو جو ان دونوں کا دشمن تھا''

حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے تو بڑھے تھے اس قبطی کو پکڑنے کے لیے تاکہ اُسے اپنے اسرائیلی بھائی کو مارنے سے روک سکیں، لیکن چونکہ آپؑ کے غصے کا رخ اسرائیلی کی طرف تھا اور اس کو سختی سے ڈانٹتے ہوئے آپؑ نے اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ کہا تھا، اس لیے وہ سمجھا کہ آپؑ اس کی پٹائی کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ:

﴿قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۚ﴾ ''وہ چیخ اٹھا: اے موسیٰؑ! کیا تم مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا!''

گویا اس نے اپنی حماقت سے بھانڈا ہی پھوڑ دیا کہ کل والا قتل موسیٰؑ نے کیا تھا۔

﴿اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ﴾ ''تم صرف یہ چاہتے ہو کہ تم اس ملک میں بڑے جابر بن جاؤ''

﴿وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝۱۹﴾ ''اور تم نہیں چاہتے کہ تم اصلاح کرنے والوں میں سے بنو۔''

گویا اس مکالمے سے اُس اسرائیلی نے ثابت کر دیا کہ وہ خود ایک منفی سوچ کا حامل اور گھٹیا کردار کا مالک شخص تھا۔

آیت ۲۰ ﴿وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ﴾ ''اور ایک شخص آیا شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا''

یعنی اس دوسرے جھگڑے میں جب قتل کا راز فاش ہو گیا تو اس قبطی نے جا کر مخبری کی ہو گی۔ تب یہ واقعہ پیش آیا ہو گا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ فرعون اور دوسرے امرائے سلطنت کے محلات شہر کی عام آبادی سے دور تھے۔ چنانچہ ایک شخص وہاں سے دوڑتا ہوا آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تک یہ خبر پہنچائی۔

﴿قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ﴾ ''اُس نے کہا: اے موسیٰؑ! اعیانِ حکومت تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر دیں''

یعنی آپؑ کے ہاتھوں قبطی کے مارے جانے کی خبر اربابِ اقتدار تک پہنچ جانے کے بعد ایوانِ حکومت میں آپؑ کے قتل کی قرارداد پیش ہو چکی تھی اور آپؑ کے قتل کی رائے پر سب کا اتفاق ہونے والا تھا۔ یقیناً انہوں نے سوچا ہو گا کہ غلام قوم کا یہ فرد شاہی محل میں رہ کر خود سر اور سرکش ہو گیا ہے۔ آج اس نے ایک قبطی کو قتل کرنے کی جسارت کی ہے تو کل یہ شخص اپنی غلام قوم میں آزادی کی روح پھونک کر انہیں ہمارے خلاف بغاوت پر بھی آمادہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ یہ ہمارے لیے بڑا مسئلہ کھڑا کرے، بہتر ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

﴿فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝۲۰﴾ ''تو تم یہاں سے نکل جاؤ، میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔''

اُس شخص نے آپؑ کو یقین دلایا کہ وہ آپؑ کو بالکل صحیح مشورہ دے رہا ہے اور آپؑ کی بھلائی چاہتا ہے۔

آیت ۲۱ ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۭ﴾ ''تو وہ نکلا وہاں سے ڈرتے ڈرتے بڑا چوکنا ہو کر''

لفظ يَتَرَقَّبُ قبل ازیں آیت ۱۸ میں بھی آ چکا ہے۔ اس سے مراد کسی شخص کی ایسی کیفیت ہے جس میں وہ کسی بھی طرف سے ممکنہ خطرے کی وجہ سے فکر مند بھی ہو اور انتہائی محتاط اور چوکنا بھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی اُس وقت ایسی ہی کیفیت تھی۔

﴿قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۱﴾ ''اور اُس نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالموں کی قوم سے نجات دے دے۔''

آیات ۲۲ تا ۲۸

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾
وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۡ وَوَجَدَ مِنْ
دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ
الرِّعَآءُ ؕ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ
لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫
قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ
عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ
اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ
اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ
فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ
شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ
قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

آیت ۲۲ ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ﴾ ’’اور جب اُس نے مدین کی طرف رخ کیا‘‘

نقشے پر دیکھیں تو مصر جزیرہ نمائے سینا کے ایک طرف ہے جبکہ مدین کا علاقہ اس کے دوسری طرف واقع ہے۔ گویا مصر سے مدین جانے کے لیے آپؑ کو پورا صحرائے سینا عبور کرنا تھا۔ آپؑ نے مدین جانے کا عزم اس لیے کیا کہ یہ علاقہ فرعون کی سلطنت سے باہر تھا۔

﴿قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾﴾ ’’اُس نے کہا: اُمید ہے میرا رب سیدھے راستے کی طرف میری راہنمائی کرے گا۔‘‘

یعنی اس لق و دق صحرا میں سفر کرتے ہوئے میرا رب مسلسل میری راہنمائی کرتا رہے گا اور اس طرح میں راستہ بھٹکنے سے بچا رہوں گا۔ ظاہر ہے کہ ایک وسیع و عریض صحرا میں راستہ بھٹک جانے والے مسافر کا انجام تو ہلاکت ہی ہو سکتا ہے۔

آیت ۲۳ ﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ﴾ ’’اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچا‘‘

یہ کٹھن اور طویل سفر طے کرنے میں کتنا عرصہ لگا ہو گا اور اس دوران آپؑ کو کن کن

مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہو گا‘ اس سب کچھ کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے اور اب بات وہاں سے شروع ہو رہی ہے جب آپؑ مدین کے کنویں پر پہنچ گئے:

﴿وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۙ﴾ ’’اُس نے اس پر لوگوں کے ایک گروہ کو (اپنے جانوروں کو) پانی پلاتے ہوئے پایا۔‘‘

آپؑ نے دیکھا کہ کنویں پر لوگوں کا ہجوم تھا اور وہ کنویں سے پانی نکال نکال کر اپنے جانوروں کو پلا رہے تھے۔

﴿وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ﴾ ’’اور اُس نے ان سے الگ دو عورتوں کو دیکھا جو (اپنے جانوروں کو) روکے کھڑی تھیں۔‘‘

ان عورتوں کی بکریاں پیاس کی وجہ سے پانی کی طرف جانے کے لیے بے تاب تھیں لیکن وہ ہجوم چھٹ جانے کے انتظار میں انہیں روکے کھڑی تھیں۔

﴿قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ﴾ ’’اُس نے کہا: آپ دونوں کا کیا معاملہ ہے؟‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ آپ اپنی بکریوں کو ایک طرف کیوں روکے کھڑی ہیں اور انہیں پانی کی طرف کیوں نہیں جانے دیتیں؟

﴿قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ؕ﴾ ’’انہوں نے کہا کہ ہم (اپنے جانوروں کو) پانی نہیں پلا سکتے جب تک تمام چرواہے (اپنے جانور) نکال نہ لے جائیں‘‘

جب یہ تمام چرواہے اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جاتے ہیں تو اس کے بعد ہی ہم اپنے جانوروں کو پانی پلا سکتے ہیں۔

﴿وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾﴾ ’’اور ہمارے والد بہت زیادہ بوڑھے ہیں۔‘‘

یعنی اصل میں تو یہ مَردوں کے کرنے کا کام ہے مگر ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں‘ گھر میں کوئی اور مرد ہے نہیں‘ چنانچہ مجبوراً ہم لڑکیوں کو ہی بکریاں چرانا پڑتی ہیں۔ باقی سب چرواہے مرد ہیں‘ ہم ان کے ساتھ لڑ جھگڑ کر پانی پلانے کی باری نہیں لے سکتے۔ چنانچہ ہم ان کے جانے کا انتظار کرتے ہیں اور ان سب کے چلے جانے کے بعد اپنی بکریوں کو پانی پلاتے ہیں۔

آیت ۲۴ ﴿فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ﴾ ’’تو موسیٰؑ نے ان دونوں کے لیے پانی پلا دیا‘ پھر سائے کی طرف پھر آیا‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت توانا اور قوی تھے۔ ان کی مردانہ غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ لڑکیاں یوں بے بسی کی تصویر بنی کھڑی رہیں۔ چنانچہ وہ کنویں کی طرف بڑھے اور سب چرواہوں کو پیچھے ہٹا کر ان کی بکریوں کو پانی پلانے کا انتظام کر دیا۔ اس کے بعد وہ لڑکیاں اپنی بکریوں کو لے کر چلی گئیں اور آپؑ ایک درخت کے سائے میں جا کر بیٹھ گئے۔ تب آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

﴿فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾﴾ ''تو اُس نے دعا کی: پروردگار! جو خیر بھی تُو میری جھولی میں ڈال دے، میں اس کا محتاج ہوں۔''

یہ انتہائی عاجزی کی دعا ہے۔ ہم سب کو یہ دعا یاد کر لینی چاہیے۔ یہاں ''فَقِیْر'' کے لفظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انتہائی احتیاج کی جو تصویر سامنے آتی ہے، اس کو تھوڑی دیر کے لیے ذرا اپنے تصور میں لائیے! ناز و نعم میں پلا بڑھا ایک شخص جس کی پرورش شاہی محل میں ہوئی، اچانک اپنا سب کچھ چھوڑ کر خالی ہاتھ تن تنہا، جان بچا کر مصر سے نکلتا ہے، نہ معلوم کیسی کیسی مشکلات اور تکالیف اٹھا کر صحرائے سینا عبور کرتا ہے، پھر وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچتا ہے جہاں اس کا نہ کوئی شناسا ہے نہ پُرسانِ حال، نہ سر چھپانے کی جگہ اور نہ روٹی روزی کا کوئی وسیلہ۔ گویا غربت اور محتاجی کی انتہا ہے!

آیت ۲۵ ﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ﴾ ''اتنے میں اس کے پاس ان دو میں سے ایک لڑکی شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی آئی۔''

﴿قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا﴾ ''اُس نے کہا: میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ وہ بدلہ دیں آپ کو اس کا جو آپ نے ہمارے لیے پانی پلایا ہے۔''

یعنی آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلانے کے لیے جو مشقت اٹھائی، ہمارے والد آپ کو اس کا کچھ اجر دینا چاہتے ہیں۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ﴾ ''تو جب موسیٰؑ اُس کے پاس آیا اور اُس نے اسے اپنا سارا قصہ سنایا''

اس آیت میں لفظ ''الْقَصَص'' آیا ہے اور اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام القَصَص ہے۔

﴿قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵﴾﴾ ''اُس نے کہا: اب ڈرو نہیں، تم نجات پا چکے ہو ظالموں کی قوم سے۔''

یعنی آپؑ کے ان دشمنوں کی اس علاقے تک رسائی نہیں۔ یہاں آپ کو کسی قسم کی پریشانی یا تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ یہاں آرام سے رہ سکتے ہیں۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں جس شخصیت کا ذکر ہے وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے، اس لیے کہ حضرت شعیبؑ کے مدین میں مبعوث ہونے کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے بھی اس شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

اگر کوئی شعیبؑ آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے!

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ یا دس سال تک چرواہے کی حیثیت سے حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں رہے اور یہ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپؑ چرواہے سے کلیم اللہ بن گئے۔

اس مفروضہ کو اگر حقائق و واقعات کی روشنی میں پرکھا جائے تو یہ درست ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ آپؑ اللہ کے رسولؑ تھے۔ اور کوئی بھی رسولؑ جب کسی قوم کی طرف مبعوث ہوتا ہے تو اس کی بعثت یا رسالت دو ادوار پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک دعوت کا دور اور دوسرا نزولِ عذاب کے بعد کا دور۔ اب اگر یہ فرض کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات آپؑ کے زمانۂ دعوت میں ہوئی تھی (یعنی اس وقت تک ابھی اہل مدین آپؑ کی تکذیب کر کے عذاب کے مستحق نہیں ہوئے تھے) تو اس واقعہ کا رنگ بالکل ہی مختلف ہونا چاہیے تھا اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس زمانے میں مدین پہنچے تھے جب اہل مدین پر عذاب آ چکا تھا اور حضرت شعیبؑ اُس وقت عذاب سے محفوظ رہ جانے والے مؤمنین کے ساتھ رہ رہے تھے تو ایسی صورت میں یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ اللہ کے رسول کی بیٹیاں یوں پریشان حال جنگل میں بکریاں چراتی پھرتیں اور اُمت میں سے کوئی ان کا پُرسانِ حال نہ ہوتا۔ بہرحال واقعہ کا انداز خود بتا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات جس شخصیت سے ہوئی تھی وہ حضرت شعیبؑ نہیں تھے، بلکہ حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ بچ جانے والے مؤمنین کی نسل میں سے کوئی نیک سیرت بزرگ تھے۔ اب یہ معلوم کرنا تو مشکل ہے کہ یہ واقعہ حضرت شعیب علیہ السلام کے کتنے عرصے بعد کا ہے، بہرحال اُس وقت تک

حضرت شعیب علیہ السلام کی تعلیمات کے کچھ نہ کچھ اثرات معاشرے کے اندر موجود تھے۔

آیت ۲۶ ﴿قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ﴾ ''ان دونوں میں سے ایک نے کہا: ابا جان! آپ ان کو ملازم رکھ لیں''

اِسْتَاْجَرَ ''اج ر'' مادہ سے باب استفعال ہے۔ ''مُسْتأجِر'' وہ شخص ہے جو کسی کو اجرت پر ملازم رکھے' جبکہ اجرت پر کام کرنے والے کو عربی میں ''آجـر'' یا ''اَجِیـر'' کہا جاتا ہے (ہمارے ہاں عام طور پر آجـر کے معنی اجرت دینے والا یا ملازم رکھنے والا کے لیے جاتے ہیں جو غلط ہیں)۔ بہرحال عربی میں یہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں۔ ''اَجِیـــر'' صفت مشبّہ ہے اور ''آجر'' اسم الفاعل۔

﴿اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝۲۶﴾ ''یقیناً بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہوسکتا ہے جو طاقتور اور امین ہو۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کی یہ دونوں خصوصیات ان بچیوں کے مشاہدے میں آ چکی تھیں۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ جب ان کی بکریوں کو پانی پلانے کے لیے آپؑ کنویں کی طرف بڑھے تھے تو آپ کا ڈیل ڈول دیکھ کر کسی چرواہے نے آپؑ سے اُلجھنے کی جرأت نہیں کی تھی اور سب نے بلا چون و چرا آپؑ کو پانی پلانے کا موقع دے دیا تھا۔ اس کے علاوہ ان بچیوں کو آپؑ کے شریفانہ رویہ سے آپؑ کی امانت داری کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ کسی مرد کا سامنا کرتے ہوئے ایک شریف عورت فطری طور پر اس کی نظر کے بارے میں بہت حساس ہوتی ہے۔ آپؑ نے چونکہ لڑکیوں سے بات چیت کرتے ہوئے ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا' اس لیے انہوں نے آپؑ کی امانتداری کی گواہی دی کہ جس شخص کی نگاہ میں خیانت نہیں ہے وہ کسی اور معاملے میں بھی خیانت نہیں کرے گا۔

آیت ۲۷ ﴿قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ﴾ ''اُس نے (موسیٰؑ سے) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں۔''

چنانچہ شیخِ مدین اپنی بیٹی کے مشورے کی روشنی میں جو ارادہ کر چکے تھے اس بارے میں انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعتماد میں لینا چاہا کہ وہ اپنی ایک بیٹی ان کے نکاح میں دینا چاہتے ہیں۔

﴿عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ﴾ ''اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میری

ملازمت کرو۔''

ممکن ہے اس وقت اس علاقے میں نکاح کے بدلے لڑکے سے معاوضہ لینے کا رواج ہو۔ بہرحال شیخِ مدین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اگر وہ آٹھ سال تک ان کی خدمت کریں' ان کی بھیڑ بکریاں چرائیں اور گھر کے دوسرے کام کاج کریں تو اس کے بدلے میں وہ اپنی ایک بیٹی ان کے نکاح میں دے دیں گے☆۔

﴿فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ﴾ ''پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے ہے۔''

یعنی اگر تم آٹھ سال کے بجائے دس سال پورے کر دو یہ تمہاری طرف سے ایک طرح کا احسان ہوگا۔

﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ﴾ ''اور میں تمہیں مشقت میں ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔''

یعنی تمہیں اطمینان ہونا چاہیے کہ اس دوران میری طرف سے تم پر کوئی بے جا سختی نہیں کی جائے گی اور بہت بھاری کام کے باعث کسی بے جا مشقت میں نہیں ڈالا جائے گا۔

﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷﴾ ''ان شاء اللہ تم مجھے نیک آدمی پاؤ گے۔''

معاملات کے سلسلے میں ان شاء اللہ تم مجھے ایک راست باز اور کھرا آدمی پاؤ گے۔

(باقی صفحہ 72 پر)

☆ بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ خدمت بیٹی کو نکاح میں دینے کے عوض نہیں لی گئی' بلکہ اس کا ذکر نکاح سے پہلے ہے۔ ظاہر ہے شیخِ مدین کو ضرورت تھی کہ کوئی بااعتماد نوجوان ان کے پاس رہ کر گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ضرورت مند تھے کہ ان کے معاش اور رہائش کی کوئی صورت بن آئے۔ لہٰذا شیخِ مدین نے انہیں پیشکش کی کہ میں اپنی لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کر دینے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ تم وعدہ کرو کہ آٹھ دس سال میرے پاس میرے دست و بازو بن کر رہو گے۔ ''اِسْتَاْجِرْهُ'' اور ''عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ'' کے الفاظ واضح کرتے ہیں کہ اس ملازمت کی اجرت الگ سے ادا کی گئی ہوگی اور بوقت نکاح مہر الگ سے مقرر کیا گیا ہوگا۔ واللہ اعلم! (اضافہ از مرتب)

اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصور (۳)

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کا مسجد دار السلام باغِ جناح لاہور میں
۱۲ نومبر ۱۹۸۲ء کا خطابِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ وادعیہ ماثورہ کے بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فِیۡ سُوۡرَۃِ التَّوۡبَۃِ:

﴿قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَاَبۡنَآؤُکُمۡ وَاِخۡوَانُکُمۡ وَاَزۡوَاجُکُمۡ وَعَشِیۡرَتُکُمۡ وَاَمۡوَالُ ۣاقۡتَرَفۡتُمُوۡہَا وَتِجَارَۃٌ تَخۡشَوۡنَ کَسَادَہَا وَمَسٰکِنُ تَرۡضَوۡنَہَاۤ اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَجِہَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۴﴾﴾

وَقَالَ اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی فِیۡ سُوۡرَۃِ الۡعَلَقِ :

﴿کَلَّاۤ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰۤی ﴿۶﴾ اَنۡ رَّاٰہُ اسۡتَغۡنٰی ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجۡعٰی ﴿۸﴾﴾

صَدَقَ اللّٰہُ مَوۡلَانَا الۡعَظِیۡمُ

حضرات! گزشتہ جمعہ میری تقریر کا موضوع تھا: ''اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصور'' اور آج بھی مجھے اسی موضوع پر اظہارِ خیال کرنا ہے۔ گویا میری آج کی گفتگو پچھلے جمعہ کی تقریر کا تسلسل ہے اور پھر اسی موضوع کی آخری کڑی ان شاء اللہ میری وہ تقریر ہوگی جو مجھے آج رات مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی دس سالہ تقریب کے ضمن میں جناح (ٹاؤن) ہال میں افتتاحی اجلاس میں کرنی ہے۔

اصلاحِ معاشرہ کی تین سطحیں

آگے بڑھنے سے پہلے گزشتہ جمعہ کی گفتگو کا خلاصہ اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے تا کہ اگلی بات سمجھنا آسان ہو جائے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اصلاحِ معاشرہ کی کوششوں کی تین سطحیں ہیں‘ جن میں سے پہلی کو ہم اس کی جڑ‘ بنیاد یا اساس قرار دے سکتے ہیں اور اس کے لیے میں نے ''پیر'' کا لفظ استعمال کیا تھا۔ دوسری سطح درمیانی درجہ سے متعلق ہے‘ گویا وہ اس کا ''دھڑ'' ہے۔ تیسری سطح کو اس کا ذروۃ السنام یعنی چوٹی قرار دیا جا سکتا ہے‘ جسے میں نے اس کے ''سر'' سے تعبیر کیا تھا۔ پھر میں نے تجزیہ کر کے واضح کیا تھا کہ اس وقت اصلاحِ معاشرہ کے حوالے سے حکومتی سطح پر جو تھوڑی بہت کوششیں ہو رہی ہیں ـــــ جن کا اخبارات اور ذرائع ابلاغ میں خوب چرچا ہو رہا ہے ـــــ اُن میں نہ ہی اس کا پیر سامنے ہے اور نہ ہی اس کا سر‘ صرف درمیانی درجے پر نیم دلانہ قسم کی کچھ توجہات مرتکز ہیں اور وہ بھی میرے نزدیک محض نمائشی نوعیت کی ہیں۔ البتہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے ان کوششوں کا بہت چرچا کیا جا رہا ہے اور اس سے مقصود لوگوں کو اطمینان دلانا ہے کہ اس ضمن میں حکومتی سطح پر کچھ نہ کچھ کام ہو رہا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ کی جڑ اور بنیاد یہ ہے کہ انسان کی سیرت و کردار کی مثبت تعمیر کا اہتمام ہو‘ اس لیے کہ معاشرہ افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر انفرادی سیرت سازی اور تعمیر کردار کا مثبت پروگرام اصلاحِ معاشرہ کی تحریک میں شامل نہ ہو تو ظاہر بات ہے کہ اس تحریک کی کامیابی ممکن نہیں ہے۔ یہی اس کی جڑ‘ بنیاد‘ اساس ہے اور یہی اس کا پیر ہے۔

اصلاحِ معاشرہ کی چوٹی یہ ہے کہ اگر انسان کے اردگرد کے ماحول میں ایک منصفانہ اور مبنی بر عدل و قسط نظام قائم نہیں ہے تو اس سے بھی انسان میں مثبت تعمیری احساسات و جذبات پیدا نہیں ہوں گے‘ بلکہ ظلم و عدوان اور استحصالی و استبدادی نظام کے فطری تقاضے کے نتیجے میں نفرت و کدورت‘ عداوت اور انتقام کے جذبات پیدا ہوں گے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے کوئی پودا زمین سے نکلتا ہے تو اس کی ایک جڑ ہوتی ہے لیکن اگر اس پودے کو نشوونما کے لیے سازگار فضا اور ماحول میسر نہ ہو تو وہ پودا پروان نہیں چڑھے گا۔ گویا جڑ اور زمین تو ہے انفرادی سیرت و کردار کی تعمیر اور ماحول درحقیقت وہ نظام ہے جس میں انسان سانس لے رہا ہوتا ہے اور جس میں لوگوں سے اس کے روابط ہوتے ہیں۔ اگر وہ نظام ظالمانہ و جابرانہ ہے‘ استحصالی و استبدادی ہے‘ اس میں جبر‘ ناروا امتیازات اور فرق و تفاوت (discrimination) ہے تو

ظاہر بات ہے کہ اس کا ردّعمل انسان کے افکار و اعمال پر پڑنا لازمی ہے‘ جس سے انسان میں تعمیری احساسات و جذبات کے بجائے تخریبی احساسات و جذبات وجود میں آئیں گے اور محبت و اخوت کے بجائے نفرت اور انتقام کے جذبات پروان چڑھیں گے۔

اصلاحِ معاشرہ کے سر اور پیر کے درمیان ایک اور شے بھی ہے اور وہ ہے: اوامر و نواہی کا نظام اور احتساب اور تعزیر و تادیب کا ایک قانونی نظام۔ یہ بھی درحقیقت اصلاحِ معاشرہ کے لیے ممد و معاون ہوتا ہے‘ لیکن یہ جڑ اور چوٹی کے بین بین شے ہے۔ اس ضمن میں یہ یاد رہے کہ اگر اصلاحِ معاشرہ کی نہ تو جڑ موجود ہو یعنی انفرادی سیرت سازی اور تعمیر کردار مفقود ہو اور پھر اس کی چوٹی بھی موجود نہ ہو یعنی کوئی منصفانہ نظام بھی موجود نہ ہو‘ تو پھر محض تعزیری و احتسابی نظام سے مطلوبہ نتائج نہیں نکلیں گے اور اس میں اصلاح کی مساعی بھی ناکام رہے گی۔

جذبے اور ارادے کی اہمیت

تعمیرِ کردار اور سیرت سازی کے لیے اصل اہمیت انسان کے فکر کی نہیں‘ بلکہ اس کے جذبے اور ارادے کی ہے۔ یقیناً فکر اگر اپنی جگہ صحیح نہیں ہے تو عمل کے غلط رُخ اختیار کرنے کی ایک بنیاد پڑے گی‘ لیکن انسان نیکی و بدی اور اچھائی و برائی کے معاملہ میں کسی مغالطہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔ تمیز و امتیاز کی یہ صلاحیت و اہلیت اللہ تعالیٰ نے انسان کو الہامی و وجدانی طور پر عطا کی ہے۔ اس بارے میں قرآن حکیم کی شہادت موجود ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝﴾ (الشمس)

’’اور قسم ہے نفس انسانی کی اور اُس ذات کی جس نے اُسے سنوارا‘ پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔‘‘

گویا فطرتِ انسانی خوب آگاہ ہے کہ خیر کیا ہے‘ شر کیا ہے‘ نیکی کیا ہے‘ بدی کیا ہے‘ فجور کیا ہے اور تقویٰ کیا ہے‘ جبکہ اصل روگ اور مرض مرزا غالبؔ کے اس شعر میں موجود ہے کہ ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت اِدھر نہیں آتی!

گویا طبیعت کو راغب کرنا ہی اصل شے ہے۔ یعنی انسان کے اندر یہ جذبہ اور ارادہ اُبھرے کہ وہ بدی کے خلاف مدافعت و مقاومت (resist) کر سکے۔ خواہ اُسے اس میں فوری طور پر کوئی منفعت حاصل ہو رہی ہو یا کوئی لذت محسوس ہو رہی ہو‘ لیکن جب اس کا ضمیر کہے کہ یہ شے یا یہ

کام فی نفسہٖ برا ہے تو اس کی قوتِ ارادی اتنی مضبوط ہونی چاہیے کہ وہ فوری منفعت یا فوری لذت سے کنارا کش اور دستبردار ہو سکے۔ اسی طرح جب اس کے اندر سے یہ آواز آ رہی ہو کہ یہ کام یا یہ چیز خیر ہے‘ نیکی ہے تو اس کو اختیار کرنے کے لیے اس کے اندر اتنی مضبوط قوتِ ارادی موجود ہو کہ وہ اسے بہرطور اختیار کر لے‘ خواہ اس کام میں بظاہر نقصان ہو رہا ہو‘ اس سے کوئی تکلیف آ رہی ہو یا اس سے اس کا کوئی دوست یا عزیز ناراض ہو رہا ہو۔ جیسے قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ﴾ (النساء:۱۳۵)

’’(عدل و قسط کی بات کہو) چاہے وہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین اور اعزہ و اقارب کے خلاف۔‘‘

تعمیرِ خودی اور جذبۂ محبت

اب غور کیجیے کہ وہ کون سی چیز ہے جو انسان کو ان تمام چیزوں کو انگیز کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے؟ ظاہر بات ہے کہ وہ چیز اندر کی ایک مضبوط قوتِ ارادی (will power) ہے۔ اگر یہ موجود ہے تو انسان کھڑا رہے گا اور نیکی کی راہ پر گامزن ہو گا‘ ورنہ وہ اس نیکی کی راہ سے پھسل جائے گا اور بدی کے راستے پر چل پڑے گا۔ اس قوتِ ارادی کی تعمیر ہی درحقیقت (علامہ اقبال کے الفاظ میں) ’’تعمیر خودی‘‘ ہے‘ اور تعمیر خودی‘ جو تعمیر سیرت و کردار کی اصل بنیاد ہے‘ کا تعلق جذبات سے ہے۔ پھر بنیادی طور پر انسان کے جذبات دو قسم کے ہیں: ایک ہے جذبۂ محبت اور دوسرا ہے جذبۂ خوف۔ محبت کا جذبہ مثبت اور خوف کا جذبہ ایک منفی جذبہ ہے۔ ان دونوں جذبات ہی کی بنیاد پر انسان کے اندر تعمیر کردار اور سیرت سازی کا عمل شروع ہو سکتا ہے۔

پچھلے جمعہ میں نے عرض کیا تھا کہ دنیا کے دوسرے نظاموں میں اس محبت کو وابستہ کیا جاتا ہے کہیں وطن سے‘ کہیں قوم سے‘ کہیں کسی شخصیت سے‘ کہیں اپنی نسل اور زبان سے اور کہیں کسی نظریہ (ideology) سے۔ ان میں سے کسی ایک چیز کی بھی محبت انسان کے دل میں گھر کر جائے تو گویا انسان کو سیرت و کردار کو سنوارنے‘ اس کا تسویہ کرنے‘ اس کی قوتِ ارادی کو مضبوط کرنے یعنی اس کی ’’خودی‘‘ کی تعمیر کے لیے جڑ اور بنیاد فراہم ہو گئی اور اس کو وہ مضبوط بنیاد (rock foundation) مل گئی جس پر اس کی سیرت سازی ہو سکے گی۔ اس لیے کہ اگر انسان کے دل میں ان میں سے کسی چیز کی محبت جاگزیں ہے تو وہ خودغرضی کی سطح سے بلند ہو سکے گا۔

البتہ یہ ظاہر ہے کہ ان محبتوں کی بنیاد پر جو کردار وجود میں آئے گا‘ وہ قوم اور وطن پرستانہ کردار ہوگا اور اس میں وسعت اور بلند نظری نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ اس میں بھلائی ہوگی صرف اپنے وطن اور اپنی قوم کے لیے‘ اور بھلائی اور برائی کے معیارات کے متعلق ایسا شخص یہ سوچے گا کہ جو کچھ میری قوم اور میرے وطن کے لیے بہتر ہے‘ یہی درحقیقت بھلائی اور خیر ہے اور جو میرے وطن یا قوم کے لیے برا ہے وہی دراصل برائی اور خرابی ہے‘ خواہ اپنی حقیقی قدر و قیمت کے اعتبار سے معاملہ اس کے برعکس ہو۔ ایسا شخص اپنی قوم کو دھوکہ نہیں دے گا‘ دوسروں کو دھوکہ دے گا۔ اپنی قوم کے ساتھ غداری نہیں کرے گا لیکن دوسروں کے ساتھ بے وفائی کرے گا۔ معلوم ہوا کہ اس سیرت و کردار کی افادیت محدود ہے‘ لیکن بہرحال کچھ نہ کچھ تو بھلائی موجود ہے کہ اپنے وطن اور اپنی قوم کی محبت ہے اور ان کے لیے ایثار و قربانی کا جذبہ موجود ہے۔ اس ضمن میں‘ میں نے پچھلے جمعہ میں نبی اکرم ﷺ کے ایک ابتدائی دعوتی خطبے کے تمہیدی الفاظ آپ کو سنائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الرَّائِدَ لَا یَکْذِبُ اَھْلَهٗ، وَاللّٰهِ لَوْ کَذَبْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَا کَذَبْتُکُمْ، وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَا غَرَرْتُکُمْ، وَاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنِّیْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ خَاصَّةً وَّ اِلَی النَّاسِ کَافَّةً))

’’(لوگو!) تم جانتے ہو کہ رائد (قافلے کا رہنما) اپنے قافلے والوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اللہ کی قسم! اگر (بفرضِ محال) میں تمام انسانوں سے جھوٹ کہہ سکتا تب بھی تم سے کبھی جھوٹ نہ بولتا اور اگر (بفرضِ محال) میں تمام انسانوں کو دھوکہ اور فریب دے سکتا تب بھی تمہیں کبھی نہ دیتا۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں! میں اللہ کا رسول ہوں‘ تمہاری طرف خصوصاً اور پوری نوعِ انسانی کی طرف عموماً!‘‘

نبی اکرم ﷺ نے یہ اسلوبِ خطاب اس لیے اختیار فرمایا کہ قریش اچھی طرح جانتے تھے کہ جھوٹ کبھی آنحضور ﷺ کے پاس بھی نہیں پھٹکا تھا‘ اسی لیے اس معاشرے نے نبوت سے قبل آپؐ کو ’’الصادق اور الامین‘‘ کے خطابات دیے تھے۔ دراصل یہ تعبیر ہے اس بات کی کہ اگر دل میں قوم اور وطن کے لیے اخلاص و خلوص کے ساتھ محبت ہے تو ایک بہتر کردار وجود میں آتا ہے۔

پاکستانی عوام‘ وطن اور قوم کی محبت سے بھی عاری ہیں

پاکستان میں رہنے والے مسلمانوں کا اصل المیہ یہ ہے کہ ان کے پاس یہ بنیاد بھی نہیں

ہے۔ خدا پرستی اور محبتِ الٰہی تو نہایت اعلیٰ و ارفع شے ہے‘ لیکن وطن‘ قوم پرستی اور اس طرح کے چھوٹے چھوٹے سہارے جو سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے دوسروں نے فراہم کیے ہوئے ہیں‘ وہ بھی دنیوی نقطۂ نظر سے مفید ہوتے ہیں اور قومیں ان سہاروں کے بل پر کھڑی ہوتی ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید کی رُو سے ایسی تمام چیزوں کا معاملہ یہی ہے کہ:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ کَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

’’اور لوگوں میں ایسے بھی لوگ ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدمقابل بناتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔‘‘

لیکن ہمارا معاملہ یہ ہے کہ فی الوقت ہماری عظیم اکثریت نہ اللہ سے محبت کرتی ہے اور نہ اُس کے رسول ﷺ سے۔ اس نمائشی محبت کو بھول جائیے‘ جس کا اظہار میلاد کی محفلوں‘ نعتوں‘ نعروں اور جلوسوں وغیرہ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ یہ محبت نہیں بلکہ اصل محبت کو دل سے محو کرنے کے لیے شیطان کا ایجاد کردہ طلسم ہوش ربا ہے۔

مزید برآں ہماری عظیم ترین اکثریت نہ اپنے وطن سے محبت کرتی ہے اور نہ اپنی قوم سے۔ اس معاملے میں ہم نوسو ننانوے فی ہزار کے تناسب سے تہی دست ہیں۔ نتیجتاً اس وقت ہمارے ہاں فی الواقع جو صورتِ حال موجود ہے‘ وہ اظہر من الشمس ہے‘ لہٰذا اس کو تفصیل سے بیان کرنے کی میں حاجت محسوس نہیں کرتا۔ ہم میں سے ہر باشعور اور حساس دل رکھنے والا اچھی طرح جانتا ہے کہ دینی و اخلاقی اور قومی و ملکی اعتبار سے ہمارے موجودہ معاشرے کی حالت کیا ہے۔ صورتِ واقعہ اتنی المناک ہے کہ بیان کرتے ہوئے کلیجہ شق ہوتا ہے۔

ہماری عظیم اکثریت کا حال یہ ہے کہ خودغرضی‘ خودلذتی اور عیش کوشی کے سوا ان کے ذہن و فکر اور ان کے مقاصد کی کوئی بلند تر سطح موجود ہی نہیں ہے۔ اپنی ذات‘ اپنے مفاد اور اپنی اغراض سے بلند تر ہو کر سوچنے والے ہمارے معاشرے میں نمک کے تناسب سے اگر موجود ہوں تو ہوں‘ ورنہ صورتِ واقعہ یہی ہے کہ ہماری عظیم ترین اکثریت نے ان تمام خوبیوں سے تہی دست و تہی دامن ہو کر صرف اپنی ذات اور اپنے مفاد کے لیے اپنی تمام توانائیوں‘ قوتوں اور صلاحیتوں کو لگا رکھا ہے۔ ان کی اپنی ذات ہی ان کا اصل کعبہ اور مقصود و مطلوب ہے اور وہ اپنے اسی حریم ذات کے گرد طواف کر رہے ہیں۔

انسانیت اور نظریے کی محبت

میں نے گزشتہ جمعہ دوسری بات یہ عرض کی تھی کہ قوم و وطن کی سطح سے ایک بلند اور بالاتر محبت ''انسان کی محبت'' بھی ہے اور پھر اس حبِ انسانیت میں دنیا میں ایک عادلانہ و منصفانہ نظام قائم کرنے اور استحصالی و استبدادی نظام کو ختم کرنے کے لیے کسی نظریے کی محبت کا بھی یقیناً دنیا میں وجود ہے۔ اگر فاطر فطرت کا دیا ہوا مبنی بر قسط و عدل نظام ان کے ذہن کی گرفت میں نہیں آیا یا پہنچانے والوں نے نہیں پہنچایا تو انہوں نے اپنے ذہن سے انسان کی بحیثیت مجموعی بھلائی اور خیر کے لیے سوچا ہے۔ اسی کو انہوں نے اپنے نظریے بلکہ صحیح تر الفاظ میں اپنے عقیدے اور ایمان کی حیثیت سے قبول کر کے اپنے نظریے کے مطابق ایک نظام کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں سب سے پہلا انقلاب ''بالشویک انقلاب'' آج سے تقریباً ساٹھ برس قبل روس میں آیا جس کے متعلق یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ انقلاب تو انقلابوں کی ماں ثابت ہوا اور اس کے بطن سے نہ معلوم کتنے ممالک میں اسی نظریے کے مطابق انقلابات آ چکے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ان انقلابات کو لانے کے لیے لوگوں نے قربانیاں دی ہیں، اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے، اپنے کیریئر تباہ کرائے ہیں۔ لاکھوں انسانوں کی ہڈیوں کا چورا ان انقلابات کی بنیادوں میں پڑا ہے تو جب کہیں یہ کامیاب انقلابات وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ انقلابات آپ سے آپ اور خود بخود تو نہیں آیا کرتے۔ زارِ روس جیسے مستبد حکمران، جن کا طوطی بول رہا تھا، ایسے جباروں کا تختہ پلٹ دینا کوئی آسان بات تو نہیں تھی۔ اس تمام ایثار و قربانی کی تہ میں اُسی نظریے کی محبت کارفرما تھی۔ ؎

اِک تصوّر کے حسن مبہم پر
پوری ہستی مٹائی جاتی ہے

جب آپ اس نظریے کا تجزیہ کریں گے تو آپ اس نتیجے تک لازماً پہنچیں گے کہ اس کا اصل محرک انسان دوستی یا حبِ انسانیت ہے۔ دنیا سے ظلم، استبداد اور استحصال کے خاتمے میں ہی انسان کے لیے مستقل خیر اور بھلائی ہے، یہ جذبہ انسانی فکر سے ماخوذ ہے اور اس نظریے کے لیے قربانی کا جذبہ رکھنے والے اور فعال و پر جوش لوگوں کے اذہان و قلوب کو مسخر کرتا ہے۔ چنانچہ واضح ہو گیا کہ حب انسانیت بھی ایک نہایت پُر قوت اور مثبت جذبہ محرکہ ہے اور یہی جذبہ اشتراکیت کے نظریے کی تہ میں مستور ہے۔

اسلام میں انسانی جذبات کی ارفع ترین سطح

میں عرض کر چکا ہوں کہ بنیادی طور پر انسانی جذبات کی دو قسمیں ہیں: جذبۂ محبت اور جذبۂ خوف اور اسلام یہ دونوں جذبے دیتا ہے اور اس بلند، ارفع اور اعلیٰ ترین سطح پر دیتا ہے کہ جس سے بالاتر سطح کا تصور ممکن ہی نہیں ہے۔ محبت کی بلند ترین سطح اللہ کی محبت اور اس کے ساتھ بالکل ملحق (bracketed) محبت ہے جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی محبت۔ یہ ہے وہ محبت جس کو اسلام ایک بندۂ مؤمن کے ذہن و قلب میں بطور احساس و بنیاد قائم کرتا ہے۔ یہ محبت مضبوط ترین بنیاد (rock foundation) ہے جس پر ایک حقیقی بندۂ مسلم کی سیرت و کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی جہاد فی سبیل اللہ کی dynamic محبت کہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے ہر ممکن جدوجہد، کوشش و محنت اور کشمکش کرنا اور نظامِ عدل و قسط قائم و نافذ کرنے کے لیے اپنی توانائیاں، قوتیں اور صلاحیتیں لگانا۔ وہ نظام جو جناب محمد ﷺ دے کر بھیجے گئے اور جس کے بارے میں قرآن مجید میں تین بار فرمایا گیا: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ اور جس کے متعلق سورۃ الشوریٰ میں نبی اکرم ﷺ سے کہلوایا گیا: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ﴾ (آیت ۱۵) ''(لوگو! جان لو کہ میں صرف واعظ بن کر نہیں آیا بلکہ) مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے مابین عدل کا نظام قائم کروں''۔ مزید یہ کہ اس دنیا میں انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم ترین غایت یہ بھی ہے کہ وہ نظامِ عدل و قسط بالفعل قائم و نافذ ہو جو اللہ فاطر السماوات والارض اور فاطر انسان کی طرف سے ان کو دیا گیا ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ﴾ (الحدید: ۲۵)

''بلاشبہ اور بالتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی اور واضح نشانیوں (معجزات) کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزانِ شریعت (نظامِ زندگی) نازل کی تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔''

عدل و انصاف کے بہت سے نظام انسان کے فکر اور غور و تدبّر سے وجود میں آئے ہیں۔ ایک قسط و عدل پر مبنی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظامِ حیات ہے اور اس کی تکمیل اور اِتمام ہوا ہے جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے اس نظامِ عدل و قسط کو صرف نظری طور پر پیش نہیں

فرمایا بلکہ اس کو بالفعل قائم و نافذ کر کے دکھایا اور اس کی برکات وحسنات کا تجربہ نوعِ انسانی کو کرا دیا۔ اسی نظام کے احیاء وتجدید کے لیے ایثار‘ اس کے قیام کے لیے محنت وکوشش اور قربانی یہ وہ دوسرا مثبت جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کو عطا کیا گیا ہے۔ ان دونوں جذبوں کو سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ میں بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے جس کی تلاوت میں نے خطاب کے آغاز میں کی تھی:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾

’’(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ‘ تمہارے بیٹے‘ تمہارے بھائی‘ تمہاری بیویاں (اور بیویوں کے لیے شوہر)‘ تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے بہت محنت سے کمائے ہیں‘ اور وہ تجارت جس کے مندے کا تمہیں خطرہ رہتا ہے‘ اور وہ مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں‘ (اگر یہ سب چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ‘ اُس کے رسول اور اُس کے رستے میں جہاد سے‘ تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔ اور اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔‘‘

معلوم ہوا کہ محبت اللہ کی اور محبت اس کے رسول ﷺ کی اور پھر محبت اللہ کے راہ میں جہاد کی‘ اگر یہ تین محبتیں موجود ہیں تو گویا ایک بندۂ مؤمن کی سیرت سازی اور تعمیر کردار کی مثبت اساس موجود ہے اور اگر یہ تین محبتیں موجود ہی نہیں ہیں تو وہ جڑ اور بنیاد ہی سرے سے موجود نہیں ہے جس پر ایک مسلمان کی سیرت وکردار کی تعمیر منحصر ہے۔ ایسے لوگ بلا شک وشبہ سب سے زیادہ گھاٹے اور خسارے میں ہیں۔ یہ نہ دنیا کے رہیں گے اور نہ دین کے۔ نہ ان کو ان تین محبتوں کی جڑ بنیاد ملی اور نہ ہی وطن پرستی‘ قوم پرستی‘ نسل وزبان پرستی اور کسی آئیڈیالوجی کی محبت کی اساس انہیں میسر آئی۔ چنانچہ ایسے لوگ بالکل تہی دامن ہیں‘ نہ اِدھر کے ہیں اور نہ اُدھر کے‘ بفحوائے آیت قرآنی: ﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۫ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ﴾ (النساء:۱۴۳) ’’یہ اس کے مابین مذبذب (ہو کر رہ گئے) ہیں۔ نہ تو یہ اِن کی جانب ہیں اور نہ ہی اُن کی جانب ہیں‘‘۔ گویا یہ لوگ ہوا میں معلق ہیں‘ بے لنگر کا جہاز ہیں یا ریت کے گھروندے ہیں‘ جن کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے انسانی فکر کی مہیا

کردہ اساس کو اپنا لیا ہے کم از کم ان کی دنیا تو بن جائے گی اور وہ دنیا میں سربلند نظر آئیں گے۔ لیکن جن کے پاس یہ بھی نہیں ہے‘ جیسا کہ فی الوقت ہمارا حال ہے تو ایسے لوگوں کے لیے تو ذلت ورسوائی ہے اور ان کے لیے عزت ووقار جیسی اقدار کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ ان کا حال تو قرآن مجید کے فتویٰ کے مطابق یہ ہے کہ: ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ﴾ یعنی دنیا بھی گئی اور آخرت میں بھی کچھ نہیں ملے گا۔

خوف وانذار مؤثر ترین جذبہ ہے!

تعمیر سیرت وکردار کی مثبت اساس تو ’’محبت کا جذبہ‘‘ ہے اور اس کے لیے منفی اساس ’’خوف کا جذبہ‘‘ ہے۔ یہ جذبہ ضروری بلکہ بہت ضروری ہے‘ اس لیے کہ محبت کے شناسا اور رمز آشنا ہمیشہ کم ہی ہوتے ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ’’ذوقِ نغمہ‘‘ بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے‘ جبکہ اس کے مقابلے میں ’’نوائے تلخ‘‘ کو سمجھنے والے لوگ ہمیشہ عظیم اکثریت میں ہوتے ہیں: ع ’’نوا را تلخ تر می زن‘ چو ذوقِ نغمہ کمیابی‘‘.....اور ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر!

پس معلوم ہوا کہ خوف کے جذبے کی بھی شدید ضرورت ہے۔ دنیا نے اس خوف کے جذبے کو برقرار رکھنے کے لیے پولیس‘ جیل‘ سزا‘ پھانسی اور اسی نوع کی تعزیر وتادیب کے نظام کو اختیار کیا ہے جو ہم سب کے سامنے ہے۔

اسلام نے بھی جذبۂ خوف کو بھرپور طریقے سے دو سطح پر استعمال (employ) کیا ہے: ایک دنیا میں تعزیرات وحدود کی شکل میں اور دوسرا آخرت کے محاسبے کی صورت میں۔ دنیا میں اُس نے اس خوف کے جذبے کو بڑے شدومد کے ساتھ استعمال کیا ہے اور اس میں معاشرے کے لیے عبرت پذیری وسبق آموزی کا پورا اہتمام کیا ہے۔ چونکہ اسلام کے نظامِ حدود و تعزیرات کی اصل حکمتیں اور مصلحتیں دنیا کے سامنے نہیں ہیں‘ لہٰذا دنیا والے ان کو وحشیانہ سزائیں کہتے اور سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان شدید اسلامی سزاؤں کی حکمت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایک کو سزا ملے اور معاشرے کی عظیم اکثریت کے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی ایک حد بھی صحیح طور پر جاری (exercise) ہو جائے تو اس کی برکات کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ مبارک ملاحظہ کیجیے:

((اِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فِيْ بَلَادِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))(۱)

یعنی اگر اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سے ایک حد بھی جاری اور نافذ کر دی جائے تو اس ملک میں اتنی برکات کا ظہور ہوگا جتنی چالیس روز کی بارش سے برکات ہوتی ہیں۔ آپ اگر اپنے ملک کے لحاظ سے چالیس روز کی بارش کا تصور کریں گے تو یہاں سیلاب آ جائے گا' لیکن نبی اکرم ﷺ کی دعوت کے ابتدائی مخاطبین کے بے آب و گیا اور لق و دق صحرا کے ملک کا تصور کیجئے۔ وہاں اگر چالیس روز بارش ہو جائے تو وہاں جو ہریالی اور رونق ہو جائے گی' اس کو آنحضور ﷺ نے اصل میں تشبیہہ کے طور پر استعمال فرمایا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کسی ملک میں جیسا کہ عرب ہے' چالیس شبانہ روز بارش سے جو برکات ظاہر ہوں گی اور زمین اپنے خزانے اُگلے گی' اس سے کہیں زیادہ برکات کا ظہور وہاں ہوتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں سے کسی ایک حد کو نافذ کر دیا جائے۔

ہمارے حدود آرڈیننس کی کہانی

ہمارے ہاں حدود آرڈیننس کا چرچا کئی سال سے ہو رہا ہے لیکن نہ معلوم کیا وجہ ہے کہ آج تک ایک حد بھی جاری نہیں ہوئی۔ اخبارات کے ذریعے یہ ضرور معلوم ہوتا رہتا ہے کہ فلاں کو اتنے کوڑے لگ گئے۔ یہ کوڑے تو سیاسی اور تخریبی نوعیت کے جرائم پر بھی لگ جاتے ہیں اور زنا' اغواء وغیرہ کے جرائم پر بھی۔ لیکن حدود اللہ میں سے اپنے جملہ لوازم کے ساتھ تا حال کوئی ایک حد بھی جاری نہیں ہو رہی۔ کیا چوریاں نہیں ہو رہیں؟ بلکہ چار پانچ سال میں مسلح اور منظم ڈکیتیوں کی وارداتیں تو بے حد و حساب ہوئی ہیں۔ شاید پچھلے تیس سال میں اس نوع کی جتنی وارداتیں مجموعی طور پر ہوئی ہوں گی' گمان ہے کہ آخری پانچ سال میں ہونے والی وارداتوں کی تعداد مقابلتاً زیادہ ہی ہوگی۔ جبکہ ملک میں مارشل لاء نافذ ہے اور حدود آرڈیننس کے اعلان پر ڈھائی سال کے لگ بھگ گزر چکے ہیں ☆۔ کیا اس عرصے میں قطع ید کی حد کہیں ایک جگہ اور صرف ایک مرتبہ بھی کہیں جاری ہوئی؟ چوری کی حد قطع ید کا بیان سورۃ المائدۃ میں آیا ہے:

(۱) صحیح ابن ماجه للالبانی' ج:۲۰۷۲۔ صحیح الجامع' ح:۱۱۳۹۔ الترغیب والترهیب للمنذری: ۲۴۴/۳۔

☆ یاد رہے کہ یہ خطاب نومبر ۱۹۸۲ء کا ہے' جب ملک میں جنرل ضیاء الحق کا مارشل لاء نافذ تھا۔

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۳۸﴾

''اور چور' خواہ عورت ہو یا مرد' دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا۔ اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔''

پھر ڈاکے اور ڈکیتیوں کی سزا بطور حد سورۃ المائدۃ کی آیت ۳۳ میں آئی ہے:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ﴾

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔''

ان میں سے کوئی ایک حد بھی آج تک کہیں نافذ نہیں ہوئی۔ اگر یہ حدود فی الواقع نافذ ہو جاتیں تو کیا وہ عناصر' جو فلموں اور ٹی وی کے ذریعے (حکومتی سرپرستی میں) منظم ڈاکوؤں کی تربیت (training) کر رہے ہیں' ان کے ہوش ٹھکانے نہ آ جاتے! اسی طرح اگر کہیں غیر شادی شدہ زانی پر سو کوڑوں اور شادی شدہ زانی پر رجم کی حد ایک مرتبہ بھی برسرِ عام نافذ ہو جاتی تو پورے معاشرے پر جو لرزہ طاری ہوتا' اس کا آپ خود تصور کر سکتے ہیں۔

حدود آرڈیننس اپنی جگہ صحیح سمت میں اقدام تھا' لیکن اگر یہ آرڈیننس بالفعل نافذ نہیں ہے تو بتائیے کہ اس کا آخر معاشرے کو فائدہ کیا حاصل ہوا؟ میری اس بات کا مطلب یہ ہے کہ اس آرڈیننس میں جو خامیاں رہ گئی ہیں' ان کو شرعی عدالت کے توسط سے دور کر کے اس کو فی الفور نافذ ہونا چاہیے ☆۔ صرف اس کا چرچا کرنا' اخبارات کی سرخیوں کی زینت بنانا یا ذرائع ابلاغ کے ذریعے اس کا پروپیگنڈا کرنا' کوئی معنی نہیں رکھتا' بلکہ اُلٹا اس کا نقصان ہو رہا ہے' جیسے ایک حکومتی عہدے دار کا فرمانا ہے کہ حدود آرڈیننس کی وجہ سے اب تک پولیس کے وارے نیارے ہوئے ہیں' اس لیے کہ رشوت کا تناسب بڑھ گیا ہے۔ اب پولیس کو کامل اختیار دیا گیا

☆ حدود آرڈیننس کے اعلان کو آج لگ بھگ ۳۶ سال گزر چکے ہیں' لیکن آج بھی اس کا بالفعل نفاذ نہیں ہوا۔ افسوس صد افسوس!

ہے کہ وہ چاہے تو مجرموں کو رائج شدہ تعزیراتِ پاکستان کے تحت عدالتوں میں پیش کرے اور چاہے تو حدود آرڈیننس کے تحت۔ پس اس حدود آرڈیننس کا اگر کوئی فائدہ ہوا ہے تو وہ صرف پولیس کو حاصل ہوا ہے‘ لیکن اس حدود آرڈیننس کی کوئی معمولی سی معمولی برکت بھی تا حال ہمارے ماحول اور ہمارے معاشرے میں کہیں محسوس و مشہور نظر نہیں آتی اور نہ اس کا کوئی تجربہ ہمارے سامنے اب تک آیا ہے۔

محاسبۂ اُخروی کا خوف

گزشتہ جمعہ اور آج بھی میں نے متعدد اسالیب سے یہ باور کرایا ہے کہ اسلام نے خوف کے جذبے کو اس دنیا کے نظام میں بھی حدود و تعزیرات کی صورت میں بھرپور طریقے پر جگہ دی ہے‘ لیکن اس سے بھی بالاتر ایک اور ’’خوف‘‘ بھی انسانیت کو دیا ہے اور جو اسلام کا اصل عطیہ (contribution) ہے۔ دنیا کے نظام میں سموئے ہوئے سارے خوف مدہم پڑ سکتے ہیں اور مختلف اسباب سے بے اثر ہو سکتے ہیں‘ مثلاً جس معاشرے میں کرپشن عام ہو جائے تو اس میں یہ تمام خوف صحیح طور پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ پولیس حتیٰ کہ عدالتی اہل کاروں میں رشوت لینا عام ہو اور رشوت کے ذریعے حقیقی ملزم بھی بچایا جا سکے تو معاشرہ اس احتسابی نظام سے جتنا بے پروا اور بے خوف ہوگا‘ آج وہ ہمارے سامنے ہے۔ اسی طرح جہاں سفارش کا دور دورہ ہو وہاں بھی احتساب و تعزیر کا یہ خوف بے اثر ہو جائے گا۔ آخر کوئی بڑے سے بڑا جج بھی کسی کا بھائی‘ کسی کا بیٹا‘ کسی کا بہنوئی اور کسی کا سالا تو ہوگا۔ کہیں نہ کہیں سے کوئی رشتہ‘ کوئی تعلق نکال کر approach ہو ہی جائے گی اور پھر رستگاری اور براءت یقینی ہوگی۔ ہمارے اعلیٰ سطح کے عدالتی نظام میں یقیناً ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کے متعلق حسنِ ظن یہی ہے کہ وہ ان خرابیوں سے محفوظ ہیں‘ لیکن ہمارے ہاں مجسٹریٹ کی سطح پر ایسے لوگ شاذ ہی ہوں گے جو ان برائیوں سے بچے ہوئے ہوں۔ بہرحال جب کرپشن معاشرے میں موجود ہو تو دنیوی احتساب اور تعزیر و تادیب کا خوف مضمحل بلکہ معدوم ہو جاتا ہے اور صورت فی الواقع یہ بن جاتی ہے کہ ع ہر چند کہیں کہ ہے‘ نہیں ہے! لیکن ایک خوف ایسا ہے کہ اگر حقیقی طور پر وہ دل میں قائم ہو جائے تو اس سے زیادہ مؤثر خوف کا انسان تصور کر ہی نہیں سکتا۔ جیسے سورۃ العلق میں فرمایا گیا:

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝﴾

’’ہرگز نہیں! بے شک انسان حد سے گزرنے پر راغب ہو ہی جاتا ہے‘ کیونکہ وہ (اس

دنیا میں) خود کو بے نیاز دیکھتا ہے۔ (اس کا علاج اس یاددہانی میں ہے کہ) یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔‘‘

یعنی احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی‘ نواہی و منکرات پر عمل‘ لوگوں کے حقوق پر دست اندازی اور حقوق العباد کے اتلاف سے اسے اس دنیوی نظام کے تحت کسی پکڑ سے سابقہ پیش نہیں آتا‘ لیکن اس بے نیازی اور غفلت شعاری کا ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ اس کے ذہن و قلب میں یہ یقین راسخ اور نقش کالحجر ہو جائے کہ بالآخر اسے جواب دہی اور محاسبے کے لیے ایک دن اپنے رب کے حضور مراجعت کرنی ہے۔ اور عدالت الٰہی‘ وہ عدالت ہے کہ جہاں نہ رشوت دینے کا امکان ہے اور نہ فدیہ دے کر چھوٹنے کا احتمال ہے۔ جہاں نہ کسی سفارش کے ذریعے رستگاری کا کوئی امکان ہے اور نہ ہی وہاں کوئی ایسا زور آور ہوگا کہ جو عدل کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہو اور اللہ کے فیصلوں میں دخیل ہو سکے اور ان کو تبدیل کرانے یا ان کو نافذ ہونے سے روکنے کے لیے کھڑا ہو جائے۔ وہاں کسی قسم کی کوئی مدد نہیں مل سکے گی:

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ)

’’اور ڈرو اُس دن سے کہ جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے گی اور نہ اُس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا‘ اور نہ اسے کوئی سفارش ہی فائدہ دے سکے گی اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔‘‘

خوفِ الٰہی سے عاری لوگ

یہ بات دوسری ہے کہ ہمارے ہاں رب تعالیٰ کے حضور حاضری اور قیامت کے دن جواب دہ ہونے کے خوف کو بھی بعض ہوشیار لوگوں نے دیمک کی طرح سے چٹ کروا دیا ہے۔ آخر شیطان تو غافل نہیں ہے‘ وہ دغا دیتا ہے اور خاص طور پر ذہین لوگوں پر دین ہی کے نام پر فریب کے جال ڈالتا ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں نے اپنے مذمومہ اور گھڑے ہوئے خیالات کی اشاعت کے ذریعے آخرت کی جواب دہی اور محاسبے کے خوف کو بھی معاشرے کی عظیم اکثریت کے اذہان و قلوب میں انتہائی مضمحل اور کمزور کر دیا ہے۔ شفاعتِ باطلہ کے عقیدے نے اس خوف کی گرفت تقریباً ڈھیلی کر دی ہے۔ اب لوگوں کے قلوب میں (الا ماشاء اللہ) یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے نام لیوا ہیں‘ آنجناب ﷺ کی امت میں سے ہیں‘

آپؐ کے دامن سے وابستہ ہیں‘ لہٰذا ہماری تو سفارش ہو ہی جائے گی۔ اس مصرعہ کے مصداق:
’’کچھ بھی ہیں لیکن ترے محبوبؐ کی اُمت میں ہیں!‘‘ ہم تو بچا لیے جائیں گے۔ ہم فلاں بزرگانِ دین کے وابستگان میں سے ہیں‘ ہم تو ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر نکل جائیں گے۔

شفاعتِ باطلہ کے یہ وہ تصورات ہیں جنہوں نے آخرت کے خوف کی گرفت کو ڈھیلا کر دیا ہے اور ایمان بالآخرت بھی محض زبانی اظہار کی شکل میں رہ گیا ہے۔ صرف الفاظ رہ گئے ہیں جن میں بعث بعد الموت‘ حشر ونشر‘ حساب و کتاب‘ وزنِ اعمال‘ جزا و سزا اور جنت و دوزخ کا اقرار ہے‘ لیکن محض اس زبانی کلامی اقرار و اظہار سے اذہان‘ قلوب اور اعصاب پر وہ گرفت قائم نہیں ہوتی جو اس ایمان بالآخرت و معاد کے دل میں راسخ اور جاگزیں ہونے سے ہوتی ہے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا خوفِ آخرت

شفاعتِ حقہ سے انکار نہیں‘ معاذ اللہ! شفاعت حق ہے‘ لیکن اس کے لیے قرآن و حدیث میں جو شرائط بیان کی گئی ہیں‘ ان کا اجمالاً ذکر میں آگے کروں گا۔ اس موقع پر میں چاہوں گا کہ اصحابِ رسول ﷺ میں سے چوٹی کے چار کا حال آپ کے سامنے رکھ دوں۔ یہ چار اصحاب وہ ہیں جو عشرہ مبشرہ میں ہیں‘ یعنی اُن دس خوش بخت و خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں جن کو ان کی زندگی ہی میں نبی اکرم ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی اور جو بالترتیب خلافت علیٰ منہاج النبوۃ پر بحیثیت خلیفہ راشد و مہدی فائز رہے تھے۔ اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی کے نہیں بلکہ آفرینش عالم سے لے کر تا قیامِ قیامت‘ انبیاء و رسل علیہم السلام کی مقدس جماعت کے علاوہ روئے زمین پر ان چار اصحابِ نبی ﷺ سے زیادہ افضل اور متقی شخص کوئی نہ ہوا ہے‘ نہ ہوگا۔

یہ چار گلہائے سرسبد الصادق اور المصدوق ﷺ سے جنت کی بشارت پانے کے باوجود خوفِ آخرت سے کس طرح لرزاں و ترساں رہتے تھے‘ وہ کتبِ سیر میں محفوظ ہے۔

- صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ جب قیامت و آخرت کا تذکرہ ہوتا تھا تو لرز جاتے تھے‘ کانپ اٹھتے تھے اور حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے کہ کاش میں ایک چڑیا ہوتا جو درختوں پر چہچہاتی اور مگن رہتی ہے۔ اس لیے کہ اس سے کوئی محاسبہ نہیں ہوگا‘ اسے کوئی جواب دہی نہیں کرنی نہیں ہوگی!—— کاش میں گھاس کا ایک تنکا ہوتا جو جل جاتا ہے اور ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جاتا ہے‘ اس لیے کہ اس سے بھی میدانِ حشر میں کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی!—— کاش مجھے یہ شرفِ انسانیت نہ ملا ہوتا جو ایک طرف

شرف ہے‘ لیکن دوسری طرف حساب کتاب اور جواب دہی و مسئولیت کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔

- فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقتِ آخر ہے اور عظام صحابہ کرامؓ آپ کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپؓ سے اللہ کے رسول ﷺ راضی تھے‘ یقیناً اللہ بھی آپؓ سے راضی ہوگا‘ لیکن وہ اشکبار ہیں اور اپنے مناقب و مراتب‘ اپنے کمالات اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے باوصف کہہ رہے ہیں کہ اگر میں عدالت الٰہی سے برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں تو میں اسے اپنے لیے بہت بڑی کامیابی سمجھوں گا۔
- ذُوالنّورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو ان کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ روتے روتے ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپؓ دوزخ و جنت کے احوال کے تذکرے پر اتنے اشکبار نہیں ہوتے جتنا کہ قبر پر ہوتے ہیں۔ جواب میں کہا کہ ’’میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قبر جواب دہی کی پہلی منزل ہے۔ اگر کوئی اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد بھی آسانی ہے‘ لیکن اگر اس سے ہی نجات نہ پائی تو اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سختی ہے‘‘—— حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ’’میں نے قبر سے زیادہ کسی مقام کو ہیبت ناک نہیں دیکھا‘‘۔ اس حدیث کی روایت کے موقع پر بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی جاری ہو جاتی تھی۔
- اسد اللہ و رسولہٖ حضرت علی حیدر رضی اللہ عنہ کی شجاعت اظہر من الشمس ہے۔ آپؓ کا جسم فولاد کی طرح سخت تھا‘ لیکن حال یہ تھا کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو یہ فولادی جسم خشیت و خوفِ الٰہی سے تھرتھرا تا رہتا تھا اور جسم رقّت کی وجہ سے نرم پڑ جاتا تھا۔

یہ ہے وہ اصل خوف جو اسلام ہر مدعیٔ ایمان کے دل میں راسخ اور جاگزیں کرنا چاہتا ہے۔ اگر یہ خوف فی الواقع دل میں قائم ہو جائے تو انسان کی سیرت و کردار پر اس کی اثر پذیری کا جو عالم ہوگا‘ وہ مندرجہ بالا مثالوں سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ اس سے زیادہ مؤثر ذرائع خوف کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

❁❁❁

اہلِ اسلام کی غلطیاں
اور اسلام کا روشن مستقبل

محمد رشید عمر ☆

شیطانی ٹولے کی خواہشات پر مبنی نظام‘ جسے وہ نیو ورلڈ آرڈر کا نام دیتے ہیں‘ دنیا پر مسلّط کرنے میں جس حد تک انہیں کامیابی حاصل ہوئی ہے‘ وہ ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی تھی‘ اگر اہلِ اسلام درج ذیل غلطیاں نہ کرتے۔

(۱) پہلی غلطی یہ تھی کہ نیوٹن کے ’’نظریہ بقائے مادہ‘‘ کو تسلیم کر کے شیطانی ٹولے کے سائنسی تفاخر کا سر پھوڑنے کا موقع ضائع کر دیا گیا۔

(۲) دوسری غلطی جمہوری نظام کو قبول کر کے شیطانی ٹولے کی غلط خواہشات کو اسلامی دنیا پر مسلط کرنے کا موقع فراہم کیا گیا۔

(۳) سائنسی علوم میں ترقی اور اس کے حصول کے لیے اہلِ دین کی یکسر خاموشی اور عدم توجہ‘ جس کی وجہ سے شیطانی ٹولے کو بے پناہ جنگی صلاحیت اور معاشی فوائد حاصل ہوئے۔ یہ تیسری غلطی تھی۔

(۴) چوتھی غلطی آنے والے دور میں اسلام کے غلبے کی بشارتوں سے امت کے جذبے میں جوش اور عمل میں جارحیت پیدا کرنے کی بجائے‘ فتنوں کے ظہور کو قربِ قیامت کی علامت سمجھ کر‘ شیطانی ٹولے کی دجال سے ملاقاتوں کے امکانات کو ثابت کرنے کی کوشش اور مہدی کے متوقع ظہور کے لیے مکہ کے سفر شروع کر دیے گئے۔ گویا یہ سمجھ لیا گیا کہ مہدی اور مسیح کی آمد کے بغیر ہم شیطانی ٹولے کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔

ان باتوں کو ذرا تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

☆ مقامی امیر تنظیم اسلامی‘ فیصل آباد (جنوبی)‘ رابطہ: 0300-6690953

بے حیائی‘ سود اور قانون سازی کا خدائی اختیار انسانی ہاتھوں میں دے دینا‘ یہ تینوں باتیں نہ سچی عیسائیت میں جائز ہیں اور نہ سچی شریعتِ موسوی کا حصہ ہیں۔ لیکن یورپ میں یہ تینوں باتیں عملاً ان کے نظامِ زندگی کا حصہ ہیں اور حکومتی سطح پر ان کو تحفّظ حاصل ہے۔ جب یہ باتیں سچی عیسائیت اور سچی شریعتِ موسوی بلکہ کسی بھی آسمانی مذہب میں حرامِ مطلق ہیں تو پھر اس کو لے کر چلنے والے لوگ عیسائیت اور شریعت موسوی کے بھی منکر اور کافر ہیں‘ جن کو شیطانی ٹولے کا ہی نام دیا جا سکتا ہے۔ عالمِ اسلام میں اس کو نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے دنیا پر مسلط کرنے کی کوشش کسی حد تک کامیاب نظر آ رہی ہیں اور مسلم معاشرے اس کی زد میں ہیں۔ اس کی ترویج کا کام ہرگز آگے نہیں بڑھ سکتا تھا‘ اگر مسلمان درج ذیل غلطیوں کا ارتکاب نہ کرتے:

پہلی غلطی: نیوٹن کے نظریہ بقائے مادہ‘ جس میں اس نے دعویٰ کیا تھا کہ مادہ نہ پیدا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی فنا‘ گویا مادہ ایسی چیز ہے جس کو بقائے دوام حاصل ہے اور قائم بالذّات ہے‘ اس میں کوئی کمی پیشی نہیں ہوسکتی۔ اس نظریہ کو پہلے ہی مرحلہ میں بے بنیاد قرار دے کر یکسر مسترد کرنے کی ضرورت تھی۔ ہمارے پاس قرآن پاک اور احادیث نبوی کی روشنی میں اٹل اور حقیقت پر مبنی دلائل تھے‘ اور ہیں۔ جس کے مطابق کائنات کی ہر شے کا خالق اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ اس نے کسی وقت اس کو پیدا فرمایا اور جب چاہے اس کو عدم میں دھکیل دے اور کوئی چیز باقی نہ رہے۔ سورۃ الاخلاص اور سورۃ الرحمٰن کی تلاوت کے باوجود تعلیمی اداروں میں اس نظریہ کو پڑھایا گیا اور ایک برتر سائنسی اثاثے کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ اگرچہ سائنس خود اس نظریہ کی تردید کر چکی ہے۔ لیکن اصل کام اہل ایمان کا تھا کہ وہ پہلے مرحلے میں اس پر قرآنی سچائی کی چوٹ لگا کر اس کا بھیجا نکال دیتے اور سائنسی علوم کی برتری کا خمار ذہنوں سے باہر نکال پھینکتے۔ جب اہلِ ایمان نے یہ کام نہیں کیا تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک پوری نسل مغرب کی مرعوبیت کے ساتھ پروان چڑھ گئی جن کے دلوں میں قرآنی علوم اور علومِ نبویہ ﷺ کی قدر و قیمت نہیں ہے۔ الا ماشاء اللہ!

حل: قرآن وسنت کے دلائل کے ساتھ علم کی بنیادوں کو واضح کیا جائے ع ’’بولہب را حیدرِ کرار کن!‘‘ اور بغیر آسمانی ہدایت کے پھیلنے والے فلسفوں اور سائنسی علوم کی ہلاکت خیزیوں کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ مسلمانوں نے ان میدانوں میں دنیا کو کیا دیا‘ وہ کامیابیاں لوگوں کے سامنے لائی جائیں۔ مغرب کے غیر متعصّب ماہرین علوم‘ فلسفہ اور سائنس کے

اسلامی علوم و فلسفہ کے سامنے نیازمندی اور شکرگزاری کے اعترافات دنیا کے سامنے رکھ کر امت مسلمہ کی خودی کی تعمیر کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ بقول اقبال ؎

سنا ہے میں نے غلامی سے اُمّتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذّتِ نمود میں ہے!

دوسری غلطی: جمہوری نظام کو بغیر سوچے سمجھے قبول کرلیا گیا۔ ذرا غور کیجئے اس نظام کی بنیاد کس نظریہ پر کھڑی ہے۔ وہ بنیاد ہے عوامی رائے دہندگی کا حق جس میں سب لوگ برابر ہیں۔ ایک موذّن اور گویّا' ایک عابد شب بیدار اور بدکردار' ایک خائن اور دیانت دار' مسجد نبوی کا امام اور ایک فلم کا ڈائریکٹر' یہ سب برابر ہیں۔

کیا کوئی سلیم الفطرت انسان اس مساوات کو قبول کرسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات نے انبیاء و رسل علیہم السلام کو خوبیوں اور فضیلتوں کے لحاظ سے برابر نہیں رکھا' چہ جائیکہ عام انسانوں کو ان کی اجتماعی زندگی کے اہم ترین معاملہ میں رائے دینے کے لیے کسی بھی اعتبار سے برابر سمجھ لیا جائے۔ یہ مساوات جو اس نظام کی بنیاد ہے وہ عدل کی مساوات نہیں ہے۔ اگر عدل کی مساوات نہیں ہے' اور یقیناً نہیں ہے' تو پھر یہ ظلم کی مساوات ہے۔ قرآن و حدیث کو ایک طرف رکھ کر محض انسانی رویوں کی تاریخ کے تجربوں کو بنیاد بنالیں تو بھی یہ مساوات عدل کی نہیں' ظلم کی مساوات ہے۔

تو جس نظام کی بنیاد ہی غلط بنیادوں پر ہو اس پر تعمیر ہونے والا نظامِ زندگی انسانیت کو کیا خیر دے سکتا ہے؟ کیا امن اور سکون دے سکتا ہے؟ جب بادشاہت اور مذہب کے گٹھ جوڑ کو مسترد کر کے اہل یورپ نے اس نظام کو متعارف کروایا تھا تو اس کے نتائج کے اعتبار سے اُس وقت انسانیت پر ایک خوف کا لرزہ طاری تھا کہ اس طرح اگر برابری کی سطح پر آزاد رائے دہندگی کا حق انسانوں کو دے دیا جائے تو معاشرے کی مختلف اکائیوں' جو برادری' علاقائی' لسانی' رنگ و نسل جیسی بنیادوں پر ہوتی ہیں' ان کو آپس میں دست و گریبان ہونے سے کیسے روکا جائے گا؟ یہاں تک کہ سرمایہ نے آکر اس کو سہارا دیا۔ گویا ایک ہڈی کا ٹکڑا سرمایہ کی شکل میں لوگوں کے مفادات کا محافظ بن کر اس نظام کو چلانے کا ذریعہ بن گیا۔ آج بھی اگر سرمایہ کی کارفرمائی کو اس نظام سے نکال دیا جائے تو پیچھے طاقت کے زور پر مفادات کے حصول کے لیے آپس میں دست و گریباں لوگوں کے گروہ نظر آئیں گے' اور نتیجہ میں کچھ باقی نہیں بچے گا۔ یہ سرمایہ فراہم کرنے والا وہی شیطانی ٹولہ ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اس شیطانی ٹولہ نے لوگوں کو

سہولت فراہم کی ہے۔ جن لوگوں کو یہ سہولت فراہم کرتے ہیں اس کی قیمت اپنی غلیظ خواہشات کے ایجنڈے مسلط کر کے وصول کرتے ہیں۔ اس نظام کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ بقول اقبال ؎

تدبّر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدّن کی بنا سرمایہ داری ہے!

اس کی دو وجوہات ہیں:

(۱) ظلم کی بنیاد پر تعمیر ہونے والا نظام بغیر کسی سہارے کے قائم نہیں رہ سکتا۔ اس سے انسانیت کی کوئی خدمت نہیں کی جاسکتی۔

(۲) اس نظام کے نمایاں خدوخال ہیں:

(i) بے حیائی کا فروغ

(ii) سود

(iii) قانون سازی کا اختیار انسانی ہاتھوں میں

یہ بذاتِ خود انسانیت کے خلاف بہت بڑے جرائم ہیں' اور شیطانی ٹولہ کے ہاتھوں یرغمال انسانیت ان کے ارتکاب پر مجبور ہے۔ تاریخِ انبیاء و رسل علیہم السلام اور اقوامِ عالم اس بات پر گواہ ہے کہ ان جرائم کی مرتکب اقوام دنیا میں اپنے باقی رہنے کا جواز کھو دیتی ہیں۔ قومِ لوطؑ' اہلِ مدین (قومِ شعیبؑ) اور قومِ فرعون اس کا کھلا ثبوت ہیں۔ گویا اس نظام کی بدولت انسانیت اللہ کے عذاب کی مستحق ہوچکی ہے۔

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد اس نظام کو حکومت سازی کے نظام کے طور پر بغیر سوچے سمجھے اپنالیا گیا۔ اس کی تصنیف کا کام ہمارے دانش وروں نے نہیں کیا تھا' بلکہ یہ اسی شیطانی ٹولے کا متعارف کردہ تھا۔ ہماری دینی جماعتوں نے بھی اس کی ہلاکت خیزی اور اس سے پہنچنے والے نقصانات کا ادراک نہیں کیا' بلکہ اس نظام کے تحت اقتدار کے حصول کی دوڑ میں شریک ہوگئے۔ پاکستان میں ایک بڑی دینی جماعت' جس کی قیادت کے نظریات و افکار سے پوری دنیا بالخصوص عالمِ اسلام واقف اور متاثر تھا' جب اس نے اس نظام کو قبول کرلیا تو پھر باقی عالمِ اسلام میں جہاں بھی اس کو اپنایا گیا کسی نے بھی اس کے نتائج و عواقب پر غور نہیں کیا اور نہ کوئی مزاحمت سامنے آئی۔ غلط بنیادوں پر چلنے والے نظام سے اسلام جیسے اعلیٰ نظامِ الٰہی کے غلبے کی توقعات وابستہ کرلی گئیں۔ آج تک اس کے سحر میں اس طرح گرفتار ہیں کہ عملی نتائج کو بھگت کر بھی اس سے نکلنے کے لیے تیار نہیں۔

حل:

(۱) لوگوں کی تربیت کا جامع منصوبہ شروع کیا جائے‘ جس کے ذریعے لوگوں کے اندر اللہ کا تقویٰ‘ اخلاقِ حسنہ اور محاسبۂ اُخروی کا شعور پیدا کیا جائے۔

(۲) اس نظام کی ہلاکت خیزیوں سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

(۳) دین کے اعتبار سے لوگوں میں درجہ بندی کا شعور پیدا کیا جائے‘ جس میں قرآنی اصول ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ پیش نظر رکھا جائے۔ گویا ایک نظامِ فضیلت اختیار کیا جائے۔

(۴) خود احتسابی کا نظام وضع کیا جائے‘ جس میں ہر فردِ ملت کا فرائضِ دین کی ادائیگی اور معاملات کی درستگی کا ریکارڈ اس کی جیب میں اس طرح موجود ہو جس طرح شناختی کارڈ۔ اس ریکارڈ کو ایک مرکز میں جمع کیا جا سکتا ہے‘ جہاں لوگوں کی روحانی اور عملی ترقی کا جائزہ لے کر درجہ بندی کی جا سکتی ہے۔

(۵) درج بالا محنت کے بعد ایک خاص روحانی اور عملی ترقی والے لوگوں کو رائے دہندگی کا اہل سمجھا جائے۔

تیسری غلطی: سائنسی علوم کے حصول اور اس میں ترقی کے بارے میں اہلِ دین کی یکسر خاموشی اور عدم توجہ ہے‘ جس کی وجہ سے:

(۱) شیطانی ٹولے کو بے پناہ قوتِ حرب وضرب حاصل ہوئی۔ جدید ترین اسلحہ کا مقابلہ آج اُمت مسلمہ کے بس کی بات نظر نہیں آتا —— جبکہ گائیڈڈ میزائل جیسے ہتھیاروں سے اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو تباہ کرتا تھا‘ جیسے سورۃ الذاریات میں فرمایا:

﴿اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۲ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝۳۳ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۴﴾

’’ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں‘ تاکہ ان پر ایسے پتھر برسائیں جو مٹی سے تیار کیے گئے ہیں‘ اور ہر پتھر زیادتی کرنے والوں (کو ہلاک کرنے) کے لیے تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ کر دیا گیا ہے۔‘‘

یعنی ہر پتھر کو باری تعالیٰ کی طرف سے پروگرام دیا جاتا تھا کہ اُس نے کس دشمنِ خدا کو ٹھکانے لگانا ہے۔ آج یہ صلاحیت شیطانی ٹولے نے حاصل کر لی ہے۔

(۲) بے پناہ قوتِ ابلاغ شیطانی ٹولے کو حاصل ہے۔ جبکہ دین کی تبلیغ کا کام اللہ تعالیٰ نے

اپنے پیارے رسول ﷺ کو دیا۔ آپ ﷺ نے ہر فردِ امت کی ذمہ داری لگا دی کہ: ((بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً)) ’’پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت ہو‘‘۔ لیکن آج شیطانی ٹولے کو اپنے نظریات اور پیغام پہنچانے کی جو صلاحیت حاصل ہے‘ افرادِ امت مسلمہ اس کے سامنے عاجز ہیں۔ سمارٹ فون اور اینڈرائڈ جنہیں راقم چپیڑیں (تھپڑ) کہتا ہے‘ ہر چھوٹے بڑے‘ امیر غریب‘ عالم جاہل کی جیبوں میں ڈال دیے گئے ہیں اور ہم وہ کچھ دیکھنے کے لیے مجبور ہیں جو ہمیں دیکھنا حرام ہے‘ اور وہ کچھ سننے پر مجبور جو ہمارے لیے جائز نہیں ہے‘ تو اس صورت میں ان کا استعمال ایسے ہی ہے جیسے ہمارے منہ پر تھپڑ مارے جا رہے ہیں۔

(۳) تحقیق وایجاد کے ذریعے شیطانی ٹولہ بے تحاشا معاشی فوائد حاصل کر رہا ہے۔ طاقت کے زور پر دنیا کے وسائل لوٹ کر اور اپنی ایجادات کو دنیا میں فروخت کر کے جو بے تحاشا معاشی فوائد حاصل کر رہے ہیں‘ اس سے انہوں نے اپنے معاشروں کو بہترین فلاحی مادر پدر آزاد شیطانی معاشرے اور اپنے ملکوں اور شہروں کو بہترین شیطانی جنتیں بنا دیا ہے‘ جہاں ہر کسی کو آزادی اور عزتِ نفس کا ماحول میسر ہے۔ آپ کسی کی بہن یا بیٹی کی عزت خاک میں ملائیں یا مرد ہوتے ہوئے اپنی عزت کسی دوسرے مرد کی شہوتِ نفس کے ہاتھوں پامال کروائیں‘ کوئی قانون رکاوٹ نہیں بنے گا اور نہ کسی کی ملامت کا خوف ہوگا۔ اُمت مسلمہ کے کم ہی افراد ہوں گے جن کے دلوں میں وہاں کے نظاروں سے لطف حاصل کرنے کی امنگ اور تڑپ نہ ہو۔ ان کی اس ترقی کے آگے ہمارے حکمران سجدہ ریز نظر آتے ہیں۔ اس عاجز کر دینے والی برتری نے ہمیں ذلت آمیز مصالحت پر مجبور کیا ہوا ہے‘ جس کا مظہر یہ ہے کہ ہمارے دانش وران کے غلیظ فلسفوں کی جگالی کرتے نظر آتے ہیں۔ گویا خود نادانستہ ان کی نشر واشاعت میں لگے رہتے ہیں۔ ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو ان کی جدید ایجادات کو خرید کر اپنے آپ کو معاشرے کا اونچا طبقہ محض اس وجہ سے سمجھتا ہے کہ ان جدید تعیّشاتِ زندگی تک اس کو دسترس حاصل ہے۔ اتنی شرم وغیرت نہیں کہ یہ اشیاء کیا اس نے خود یا اس کے ابنائے ملت نے تیار کی ہیں یا کسی اور نے اس کی جیب کاٹ کر اس کو مہیا کی ہیں۔ ساتھ ہی اس کے دماغ میں تکبّر کا خنّاس بھی بھر دیا ہے۔ جملہ معترضہ کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ ایک اخباری خبر کے مطابق اہلِ پاکستان نے تھری جی اور فور جی انٹرنیٹ سہولت سے مستفید ہونے کے لیے ایک سال میں اڑسٹھ ارب روپے خرچ کیے ہیں۔ عوام الناس ان کے عمل کے ثمرات یعنی مکینیکل اور الیکٹریکل ایجادات کھول کر جوڑنے کی اکیڈمیاں قائم کرتے رہتے ہیں اور بقیہ ان میں کورسز کر کے روزی کمانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

حل: قرآن وحدیث کی نصوص کی بنیاد پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ دین کی سربلندی کے لیے اور اس کے مخالفین کے ساتھ جہاد کے لیے اسلحہ کی برتری کا حصول اور ایک عادلانہ رحمانی فلاحی معاشرہ قائم کرنا دین کی تعلیمات کا نچوڑ ہے' جس کے لیے لازم ہے کہ تحقیق وایجاد کی باگ ڈور اُمت مسلمہ اپنے ہاتھ میں لے۔ اس کام کی اہمیت کی طرف ہمیں مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب 'تجدید واحیائے دین' میں متوجہ کیا۔ فرماتے ہیں:

''وہاں علم وفن کے محققین' مکتشفین اور موجدین اس کثرت سے پیدا ہوئے کہ انہوں نے ایک دنیا کی دنیا بدل ڈالی۔''

صفحہ ۹۲' ۹۳' ۹۴' ۹۵ پر اس کمی کی طرف تفصیلاً اظہارِ خیال فرمایا ہے۔

مناظر احسن گیلانی صاحب اپنی کتاب 'سورۃ الکہف تفسیر کے تناظر میں دجالی فتنے کے نمایاں خدوخال' کے صفحہ ۲۰ پر رقم طراز ہیں:

''میرا مطلب یہ ہے کہ قوانین قدرت پر غیر معمولی اقتدار بجائے خود ایسی چیز نہیں ہے جو آدمی کو دجال بنادے' بلکہ قرآنی تعلیم کی رو سے تو قدرت کے قوانین سے استفادہ نسل انسانی کے مقام خلافت کا عام اقتضا ہے۔ آدم علیہ السلام کو اسماء کا جو علم بخشا گیا تھا' اسی اجمال کی یہ تفسیر ہے۔ تفسیر عثمانی میں سورۃ الانبیاء کی آیت ۸۲ پر بڑا معنی خیز تبصرہ موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے جس قسم کے حیرت انگیز کام اِس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مادی قوتوں سے کرائے ہیں' اُس وقت مخفی اور روحی قوتوں سے کرائے جاتے تھے۔'' (حاشیہ ۳)

علامہ اقبال مرحوم نے ان علوم کے حصول پر کتنا زور دیا ہے' ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مولانا گرامی کی خدمت میں لکھتے ہیں:

''مندرجہ ذیل اشعار کو تنقیدی نگاہ سے دیکھئے۔ مضمون یہ ہے کہ دنیا کی قوتوں کو سمجھنا اور ان کو قابو میں لانا چاہیے۔

عالمِ ایجاد لوحِ سادہ نیست
ایں کہن ساز از نوا افتادہ نیست
برق آہنگ است ہشیارش زنند
خویش را چوں زخمہ بر تارش زنند!

''یہ عالم ایجاد سادہ تختی نہیں ہے۔ پرانا ساز نغموں سے خالی نہیں ہوا' برق آہنگ ہے' اس لیے اسے ہشیاری سے بجاتے ہیں' خود کو مضراب کی طرح اس کے تاروں پر مارتے ہیں۔'' (مکاتیبِ اقبال' صفحہ ۵۸۵' جلد ۱' مولانا گرامی کے نام خط)

(۲) خواجہ غلام السیدین کے نام پورا خط ہی اس موضوع پر ہے۔ لکھتے ہیں:

''علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہے۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے' جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے۔ اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو شیطنیت ہے۔ یہ علم حق کی ابتدا ہے۔ جیسے میں نے جاوید نامہ میں لکھا ہے:

علمِ حق اول حواس' آخر حضور
آخرِ او می نگنجد در شعور!

وہ علم جو شعور میں نہیں سما سکتا اور جو علم حق کی آخری منزل ہے اس کا دوسرا نام عشق ہے۔ علم وعشق کے تعلق میں 'جاوید نامہ' میں کئی اشعار ہیں۔

علم بے عشق است از طاغوتیاں
علم باعشق است از لاہوتیاں!

مسلمان کے لیے لازم ہے کہ علم کو (یعنی اس علم کو جس کا مدار حواس پر ہے اور جس سے بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے) مسلمان کرے۔ بولہب را حیدر کرار کن۔ اگر یہ بولہب حیدر کرار بن جائے' یا یوں کہیے کہ اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوعِ انسانی کے لیے سراسر رحمت ہے۔'' (مکاتیب اقبال' ج ۴' ص ۳۲۴)

(۳) چودھری حسین کے نام خط میں لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن تجربے اور مشاہدہ کی طرف بار بار اپیل کرتا ہے اور نظامِ عالم کی قوائے کی تسخیر پر مومن کو آمادہ کرتا ہے''۔ (مکاتیب اقبال' جلد ۴' ص ۱۰۲۲)

علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں معلوم نہیں کتنی بار جہانِ نو کی تعمیر کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اسی روز وشب سے الجھ کر رہ جانے کی بجائے نئے صبح وشام' نئے زمان ومکاں پیدا کرنے کی تلقین کی ہے۔ ان کے اشعار پر سر دھننے والے ان کا جو پیغام عمل جاں گسل کا ہے' جس سے جنت ابدی وجود میں آتی ہے' اس کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ ؎

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد
گفتم کہ نمی سازد' گفتند کہ برہم زن!

حل: غلبہ دین کے لیے جہاد فی سبیل اللہ میں برابر کی قوت کے حصول کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لینا امت مسلمہ کا فریضہ ہے۔ اس کے لیے علماء دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے حصول کی اہمیت مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے سامنے رکھیں۔ حکمتِ

لقمانی کی روشنی میں دانش مسلم کو بروئے کار لانے کی ترغیب دیں۔ ٹیکنالوجی میں ترقی بلکہ یورپ سے آگے نکل جانے کے لیے تسخیر مادہ کی اہمیت اجاگر کریں۔ اس میدان میں محنت کرنے والوں کو اعلیٰ اجروثواب کی بشارتیں دیں‘ علوم عقلیہ کی حوصلہ افزائی اس قدر کریں کہ دنیاوی تعلیم کے معلمین اور متعلمین کے دلوں کو ٹیکنالوجی کے حصول کے لیے غیرت سے بھر دیں۔ اور اس میدان میں مسلم سوادِاعظم کو نظریے کی بنیاد پر عالمِ کفر سے برسرپیکار کر دیں۔ اس تصادم سے دینی تعلیم اور تزکیہ کی اہمیت ابھر کر سامنے آئے گی اور اللہ اور رسول کی پیروی باعثِ عزت وافتخار بن جائے گی۔ آج مدرسہ اور سکول میں جو مغائرت ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی‘ اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ علمائے دین نے نماز‘ روزہ اور قرآن وسنت کو محض اپنی ڈھال نہیں بنایا بلکہ انہیں ملتِ اسلام کی حربی قوت‘ معاشی برتری اور عادلانہ فلاحی رحمانی معاشرے کے قیام کی جدوجہد کا نہ صرف انشراح حاصل ہے‘ بلکہ وہ ایک واضح ہدایت نامہ بھی قوم کے سامنے رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں‘ جو قرآن وسنت پر عمل کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

مزید برآں:

(۱) اپنے سائنس دانوں اور تحقیق کاروں کو اسلامی اخلاقیات کے زیور سے آراستہ کریں۔

(۲) تحقیق و ایجاد میں یہود ونصاریٰ کو شکست دینے کے لیے ہماری راہنمائی کے لیے ہمارے پاس دنیا کی بہترین کتاب (قرآن مجید) موجود ہے‘ مگر علم کے حوالے سے ہم ساری دنیا سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ آج تمام ایجادات اور دریافتیں مسلمانوں کی بجائے دوسری قومیں کر رہی ہیں۔ ہماری کتاب کی ایک ایک آیت کے ترجمہ وتفسیر پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور ان کی تحقیق اور ریسرچ کے ذریعے نہ صرف دنیا بلکہ پوری کائنات میں انقلاب لایا جا سکتا ہے۔ (اداریہ مقامی اخبار فیصل آباد۔ روزنامہ امن‘ ۱۷ جون ۲۰۱۶ء)

(۳) تحقیق وایجاد کی دوڑ میں برتری حاصل کرنے کا کام انتہائی کٹھن اور محنت طلب ہے۔ اس راہ میں امت مسلمہ کے لیے اتنی ہی مشکلات ہیں جتنا دین کو بالفعل دنیا پر غالب کرنے کی جدوجہد میں درپیش ہیں۔ چنانچہ اس کے لیے:

(i) ہمارے سائنس دانوں اور تحقیق کاروں کو اب تک کی ترقی کو سیڑھی کے طور اسی طرح استعمال کرنا چاہیے جیسے ان اقوام کے زیرک افراد نے مسلمانوں کی ترقی کو بطور سیڑھی استعمال کیا تھا۔

(ii) اپنے منصوبوں کو صیغہ راز میں رکھا جائے۔

(iii) مالی ضرورتوں کے لیے مسلمانوں کے جذبہ انفاق کو استعمال کر کے ایک بڑا ترقیاتی بیت المال قائم کیا جائے۔

چوتھی غلطی: یہ ہوئی کہ شیطانی ٹولے کے ہمہ گیر غلبہ میں یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اسلام اب دوبارہ غالب نہیں ہو سکتا‘ اب تو فتنوں کا دور ہے۔ یہاں تک سمجھ لیا گیا ہے کہ شیطانی ٹولے کا رابطہ دجال سے ہو چکا ہے‘ اس کے ساتھ ان کی میٹنگز ہوتی ہیں‘ جس کے مشورے سے دنیا پر غلیظ شیطانی نظام کے غلبے کی چالیں چلی جا رہی ہیں۔ چنانچہ مہدی اور مسیح ہی ہمارے نجات دہندہ ہو سکتے ہیں۔ ان سے متوقع ملاقات کے لیے عمرے اور حج کے سفر بھی شروع ہو گئے۔ ایسے تصورات نے اہل دین کو پسپا کر کے رکھ دیا ہے۔ دین کی محنت کو چار دیواریوں میں جاری رکھنے اور میٹھے میٹھے وعظ ونصیحت کو ہی اس دور کا بڑا اجہاد سمجھ بیٹھے ہیں۔ امت کے سوادِاعظم میں احیائے دین کا جذبہ اور جوش پیدا کرنے کی سعی اور کوشش نہ ہونے کے برابر ہے۔ حالانکہ صلیبی جنگوں میں نصاریٰ کو مسلمانوں کے مدمقابل لانے میں ان کے پادریوں کا کلیدی کردار رہا ہے۔ یہاں تک کہ جب ان کے باقاعدہ لشکر ان جنگوں میں ناکام ہوئے ہیں تو انہوں نے لوگوں میں اس کا سبب بڑوں کے گناہ گار ہونے کو قرار دے کر ۱۲ سے ۱۵ سال کے بچوں کے لشکر تیار کروا دیے۔ انجام تو جو ہونا تھا وہ ہوا‘ لیکن ان کے پادریوں نے مسلمانوں سے بیت المقدس حاصل کرنے کے لیے قوم میں جوش پیدا کرنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آج تک مسلمانوں کے خلاف وہی جذبہ جاری وساری ہے۔ ہمارے ہاں **الملحمۃ الکبریٰ** کی بات تو کی جاتی ہے‘ مگر اس کی تیاری کی بات نہیں کی جاتی۔

حل:

(۱) قرآنی علوم اور سیرت النبی ﷺ کے مطالعے کی اہمیت اجاگر کی جائے۔ مضامینِ قرآن کی تالیفِ جدید کی جائے۔ قرآنی علوم پر غور وفکر کر کے فی زمانہ راہنمائی کے لیے تھنک ٹینک وجود میں لائے جائیں۔

(۲) قرآن وسنت کی روشنی میں مطالباتِ دین کے تقاضے خود بھی سمجھیں اور عوام الناس میں بھی اس کی روح پھونکیں۔

(۳) واضح کیا جائے کہ قیامت ابھی بہت دور ہے۔ آنے والا دور اسلام کے غلبہ کا دور ہے اور یہ دور اس بار ہزاروں سال تک قائم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کیے بغیر نہیں رہے گا۔

اسلام کا روشن مستقبل

آنے والا دور اسلام کے غلبہ کا دور ہے۔ اس کے دلائل پیش خدمت ہیں:

(ا) قرآن مجید کی آیات میں اس کے اشارے ہیں اور احادیث نبویہ میں اس کے متعلق واضح پیش گوئی موجود ہے کہ آنے والا دور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ہے۔ احادیث رسول کی روشنی میں کوئی فلک بوس عمارت اور کوئی مٹی گارے کا گھر یا بالوں سے بنا خیمہ باقی نہ رہے گا جس میں اسلام داخل ہو کر نہیں رہے گا۔ ابھی امریکہ اور بہت سارے قطعاتِ اراضی دریافت بھی نہیں ہوئے تھے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ساری زمین کا کونا کونا دکھا دیا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے دین کا غلبہ ان سب پر ہو کر رہے گا۔

(ب) اِس وقت کا غالب نظام باطل کی بنیادوں پر ہے' جسے جانا ہی جانا ہے۔ اسلام کی بنیاد کلمہ طیبہ ہے۔ اس کی اخلاقی اقدار میں اللہ کی رضا اور محاسبہ اخروی میں کامیابی کا جذبہ کارفرما ہے۔ کلمہ طیبہ والے نظام کو ثبات حاصل ہے' جبکہ نظامِ باطل حق کا ایک جھٹکا برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

(ج) اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ شیطانی ٹولے کو مواقع فراہم کریں کہ وہ اپنے علاقوں کو شیطانی جنت بنا دیں اور اہلِ اسلام کو رسولِ اکرم ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا مزا چکھائے بغیر اور دنیا کو فلاحی عادلانہ رحمانی جنت سے لذت شناس کیے بغیر ختم کر دیں۔

(د) کائنات میں کارفرما قوتوں کے انکشاف کا کام تو ابھی شروع ہوا ہے۔ قرآن مجید میں آیاتِ بینات ہیں' جن میں کائنات کے لیے بے شمار پوشیدہ رازوں پر غور و فکر کی دعوت دی گئی۔ لیکن ﴿لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ کے مصداق ان رازوں تک رسائی صرف اہلِ ایمان کے لیے ممکن ہے۔ اہل ایمان کے لیے یہ میدان کھلا ہے کہ وہ کائنات میں چھپی قوتوں کا کھوج لگا کر غلبۂ دین کے لیے قوت اور احتیاجاتِ انسانی کی آسانیوں کے لیے نئی ایجادات پیش کریں۔ پوشیدہ قوتوں کو ظاہر کر کے ان کو کام میں لانے کا بے شمار کام ابھی باقی ہے۔

(ہ) اس کائنات میں جو کچھ ہے' اللہ تعالیٰ نے اسے انسان کے لیے مسخّر کیا ہے۔ لیکن انسان کا اب تک کا حال یہ ہے کہ اس کی تگ و دو کے سارے دائرے کو کنویں کے مینڈک سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔ کائنات کے دور دراز کونوں تک ابھی اسے رسائی حاصل نہیں ہوئی۔

(و) سورۃ الحج کی آیات ۵۲ تا ۵۴ کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ شیطانی ٹولے نے انبیاء

کرامؑ کی موجودگی میں ان کی سعی و جہد کو یرغمال بنا کے حق کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل کرنے کی کوشش کی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبوں کو ناکام بنا کے حق کو مستحکم کیا ہے۔ حق کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل کرنے کی کوشش جس طرح فی زمانہ کامیاب نظر آ رہی ہیں ایسی پہلے کبھی نہ تھی۔ لیکن اللہ باقی' قرآن باقی۔ وہ حی و قیوم اس پر قادر ہے کہ دوبارہ سے حق کو غالب کر دے اور اپنی قوتوں کے پوشیدہ راز خود انسانوں کے ہاتھوں اس طرح فاش کرا دے:

﴿وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَیُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (الحج)

''اور علم والے لوگ جان لیں کہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور وہ اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ہمیشہ سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔''

اگر یہ سمجھا جائے کہ یہ سارے مواقع ابھی باقی ہیں تو اس کے لیے امت مسلمہ کی غلبے کی عمر دراز باقی ہے۔

(ز) ہمارے حساب میں ایک ہزار سال اللہ کے ایک دن کے برابر ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی امت کی عمر اس وقت ساڑھے چودہ سو سال بنتی ہے' جس میں آخری ساڑھے چار سو سال غیروں کی غلامی کے ہیں۔ مسلمانوں کی برتری ایک ہزار سال اور خالص اسلامی نظام کے غلبہ کی تاریخ صرف تقریباً تیس سال تک ہے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے دین کو صرف ایک دن یا اس کی چند ساعتوں کے برابر اس عظیم کائنات میں متعارف کرانا تھا؟ اور اس کا خاتمہ اس حال میں کرنا تھا کہ انسانیت کا شیطانی ٹولہ اس کی دنیا پر قابض ہو؟ اس طرح تو شیطان کا چیلنج جو بارگاہِ کبریا میں کیا تھا' وہ پورا ہو رہا ہے!

ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسلام کی پہلی کامیابی اس کا ایک تعارفی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا تھا۔ اب کی بار اسلام کا غلبہ ایک لمبے عرصہ کے لیے ہے۔ اللہ کی نعمتوں کے خزانے خالی نہیں ہو چکے۔ اہل ایمان کے ذریعے اللہ تعالیٰ انسانوں کی اپنی پوری کائنات سے بھرپور استفادہ کا موقع دے گا اور وہ پوری کائنات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھال کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے۔

(ح) **ملحمۃ الکبریٰ** کی بات کی جاتی ہے۔ اسلام دشمن قوتوں کی صف بندی تو نظر بھی آتی ہے' سمجھ بھی آتی ہے' لیکن ان کے مقابلے میں اُمتِ مسلمہ (میری مراد اس وقت تمام اہلِ

اسلام ہیں' جو کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے اور وہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا آخری نبی مانتے ہیں) کی صف بندی اور مقابلے میں کسی حد تک برابری کی سطح پر جنگی صلاحیت تو کہیں نہیں ہے۔ تو کیا اس حالت میں یہ **ملحمۃ الکبریٰ** یک طرفہ طور پر ذبح عظیم نہ ہوگا؟ اس انداز سے غور وفکر کرنے سے یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ معاملہ ابھی بہت آگے کا ہے۔

(ط) اللہ تعالیٰ کی ایک سنت یہ بھی ہے کہ وہ باغی طاقتوروں کے غرور کو خاک میں ملانے کے لیے کمزوروں کو اٹھاتا ہے۔ تو غور کیجیے صرف مسلمان ہی کمزوروں کی صف میں نہیں ہیں' براعظم افریقہ کی سیاہ فام پوری قوم دنیا کی نگاہوں میں کوئی مقام نہیں رکھتی۔ کیا ان اقوام کے مقدر میں سربلندی اور عروج نہیں ہے؟ اس معجزے کے ظہور کی بھی امید کی جاسکتی ہے۔

(ی) علامہ اقبال جن کی خداداد صلاحیتوں کا ایک زمانہ معترف ہے' انہوں نے اپنے افکار و نظریات میں کہیں یہ بات واضح نہیں کی کہ بس اب آخری دور ہے اور یہ دنیا ختم ہونے والی ہے' اب مکے جاؤ اور مہدی کی تلاش کرو! بلکہ انہوں نے واضح صدا لگائی ہے کہ ''نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے''۔ ان کی شاعری میں یہ پیغام گہرا رچا ہوا ہے' مگر ہم توجہ دیں تب بات بنے۔

نائب حق در جہاں بودن خوش است برعناصر حکمراں بودن خوش است
چوں مسلماناں اگر داری جگر در ضمیرِ خویش و در قرآں نگر
چوں کہن گردد جہانے در برش می دہد قرآں جہانے دیگرش

(مکاتیبِ اقبال' جلد۴' ص۱۰۰۱)

عالمِ نَو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

یہ نکتہ سرگزشتِ ملّتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے

سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا!

❁❁❁

اسلام ۔ دینِ وَسَط

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

وَسَط عربی زبان کا لفظ ہے جو اردو میں عام استعمال ہوتا ہے اور اس کا مطلب ہے درمیان۔ چونکہ ہر چیز کا درمیانی حصہ عمدہ ہوتا ہے اس لیے وسط کا لفظ عمدہ اور اعلیٰ کے معنوں میں بھی عام استعمال ہوتا ہے۔ پیدائش سے وفات کے عرصے کو دیکھا جائے تو عمر کا ابتدائی حصہ کمزوری اور بے سمجھی میں گزرتا ہے۔ آخری عمر میں انسان کا بچپنا عود آتا ہے' اس کے اعضاء کمزور اور جسم مضمحل ہو جاتا ہے۔ عمر کے پہلے اور آخری دور کے درمیان کا زمانہ عنفوانِ شباب کا ہوتا ہے جس میں انسان جوبن پر ہوتا ہے' کمزوری نہیں رہتی' قوتِ کار بڑھ جاتی ہے۔ عمر کا یہ وسطی حصہ ہی عمدہ ہوتا ہے۔ سورۃ القلم میں اُن بیٹوں کا ذکر ہے جن کا باپ اپنے باغ کی پیداوار کا کچھ حصہ نادار اور مسکین لوگوں میں بانٹ دیا کرتا تھا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو بیٹوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ باغ کی پیداوار میں سے کچھ بھی غریبوں مسکینوں کو نہیں دیں گے۔ چنانچہ اندھیرے منہ باغ میں گئے تو باغ تباہ ہو چکا تھا۔ اُن میں سے ایک نے کہا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کی پاکی کیوں نہیں بولتے؟ لیکن تم نے میری بات نہ مانی اور غریبوں مسکینوں کو باغ کے پھل میں سے کچھ نہ دینے کا ارادہ کیا۔ بھائیوں میں سے جس نے اچھا مشورہ دیا تھا قرآن مجید میں اُسے ''اَوْسَطُھُمْ'' کہا گیا ہے' یعنی اُن میں کا اچھا انسان۔ اسی طرح ہر نبی کی ایک اُمت تھی مگر قرآن مجید میں نبی آخر الزماں ﷺ کی امت کو ''اُمتِ وَسَط'' کہا گیا ہے' یعنی اچھی امت۔ اسی مناسبت سے وسط اعتدال کے معنوں میں آتا ہے اور اسلام دین وسط ہے۔ اس کے ہر حکم میں اعتدال ہے۔ اس اعتدال کی وجہ سے ہر حکم میں عمدگی اور آسانی ہے۔

فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی بڑی فضیلت ہے مگر اس میں بھی اعتدال اور آسانی کا پہلو ملحوظ رہنا چاہیے۔ زکوٰۃ جو لازمی ہے وہ ایک سال کے بعد جمع پونجی کا چالیسواں حصہ ہے جو انتہائی معمولی ہے جو مال دار آسانی سے دے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ صدقہ خیرات دینے میں بھی اُس حد تک اجازت ہے کہ خود تنگی میں نہ پڑ جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُس شخص کو اچھا فرمایا

جو اپنے بچوں کے لیے کچھ چھوڑ کر مرے بہ نسبت اس شخص کے جو سب کچھ خیرات کر دے اور وارثوں کے لیے کچھ نہ چھوڑے۔ پس آپؐ نے ہر معاملے میں معتدل رویے کو پسند کیا ہے اور اعتدال کی راہ چھوڑنے کو اچھا نہیں سمجھا۔ مال دار لوگ زکوٰۃ کی رقم غریبوں مسکینوں کو دیں مگر اس طرح کہ ان کی انا کو ٹھیس نہ پہنچے۔ ان پر نہ احسان جتایا جائے نہ اُن سے بیگار لی جائے۔ ان کی عزتِ نفس کا خیال رکھا جائے۔ ہمارے ماحول میں مسجدوں میں امام اور خطیب مقرر ہیں' ان کی تنخواہیں مقرر کی جاتی ہیں۔ انہیں نماز اور اذان کے اوقات کی سختی سے پابندی کرنا ہوتی ہے۔ چونکہ وہ مسجد کی خدمت کے علاوہ روزی کمانے کے لیے کوئی پیشہ اختیار نہیں کر سکتے اور عام طور پر ان کی تنخواہ قلیل ہوتی ہے' مگر ان کو بھی ہر طرح کی ضروریات ہوتی ہیں' انہیں صاف ستھرا لباس پہننا ہوتا ہے' قلیل تنخواہ میں بمشکل گزارہ کرتے ہیں' کسی سے مانگتے نہیں' لہٰذا اُن کی مدد کرنا بھی کارِ ثواب ہے۔ اُن پر یہ ضابطہ لاگو نہیں ہوتا کہ وہ یہ کام مفت کریں۔ اسلام سکھاتا ہے کہ جو لوگ ہمہ تن دین کے کام میں لگ جائیں دوسرے لوگ اُن کی ضروریات پوری کریں' ورنہ دین کی خدمت کا کام کوئی نہ کر سکے گا۔ اسلام سکھاتا ہے کہ اپنے نادار رشتہ داروں کا خیال رکھو۔ صدقات اور خیرات کے اولین مستحق وہ ہیں۔ اگر تمام صاحبِ ثروت اپنے غریب اور مسکین رشتہ داروں کو سنبھال لیں تو معاشرے سے گداگری ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے۔ بندوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور مراسمِ عبادت بجالائیں۔

رات اور دن کے دوران پانچ فرض نمازیں ہیں جن کی ادائیگی آسان ہے اور اوقات مقرر ہیں۔ ہر نماز کے لیے اذان ہوتی ہے جو مسجد کے قریب رہنے والوں کو نماز کا بلاوا ہوتا ہے۔ فرائض کے علاوہ نوافل کی بھی ترغیب دی گئی ہے' لیکن وہ اُس شخص کے لیے ہے جس کو ادا کرنے میں آسانی ہو' ہر کسی کے لیے ضروری نہیں۔ جو نفل پڑھے گا وہ ثواب کی صورت اجر پائے گا۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ عبادت میں مشقت نہیں رکھی گئی۔ راتوں کو جاگ کر نفلی عبادت کی بڑی فضیلت ہے لیکن ساری رات یا رات کا بیشتر حصہ عبادت میں کھڑے رہنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ خود حضور ﷺ کو حکم تھا کہ رات کا کچھ حصہ عبادت میں کھڑے ہوں۔ چنانچہ آپؐ رات کو عبادت بھی کرتے اور آرام بھی فرماتے۔ چونکہ عبادت انسانوں کا مقصدِ تخلیق ہے اس لیے باشعور لوگ زیادہ سے زیادہ عبادت کرنا چاہتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ذوق وشوق سے عبادت میں لگ جاتے تھے' مگر رسول اللہ ﷺ نے ایک حد سے زیادہ عبادت سے روک دیا۔

حضرت ابوالدرداء اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کے متعلق آپؐ کو بتایا گیا کہ وہ رات کا بیشتر حصہ عبادت میں گزارتے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے ان دونوں کو اس عمل سے روک دیا اور فرمایا کہ رات اور دن کے اوقات میں اہل خانہ' مہمان اور ملاقاتی کا بھی حق ہے' تمہارے اپنے جسم کا بھی حق ہے۔ پس ان حقوق کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ہر روز لگاتار نفلی روزے رکھنے کا ارادہ کیا۔ آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا: تمہیں یہ بات کافی ہے کہ ہر مہینے میں تین روزے رکھو' اس لیے کہ تمہیں ہر نیکی کے بدلے دس گنا ثواب ملے گا' اس طرح تم ہمیشہ روزہ رکھنے والے کے برابر ہو جاؤ گے۔ عبادت میں میانہ روی کی اہمیت واضح کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اُس شخص کا کوئی روزہ نہیں جس نے ہمیشہ روزہ رکھا۔''

مشہور حدیث ہے کہ تین صحابہؓ نے نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے آپؐ کی نفلی عبادت کے بارے میں دریافت کیا۔ اُن کو بتایا گیا تو انہوں نے آپؐ کی عبادت کے معمول کو قلیل جانا اور کہنے لگے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہے؟ آپؐ کی شان تو یہ ہے کہ آپؐ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی گئی ہیں۔ یہ جواب سن کر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ساری رات نماز میں مشغول رہا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی روزہ نہیں چھوڑوں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے علیحدگی اختیار کروں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپؐ کو اس کے بارے میں بتایا گیا۔ آپ ﷺ نے ان تینوں حضرات کو بلایا اور ان سے فرمایا: ''کیا تم نے ایسا ایسا کہا ہے؟ سنو' میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تقویٰ رکھتا ہوں' اس کے باوجود میں (نفلی) روزہ رکھتا بھی ہوں' چھوڑتا بھی ہوں۔ رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ (یہ میرا طریقہ ہے) پس جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں''۔ یعنی میری جماعت سے خارج ہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ راتوں کو تادیر قیام کی وجہ سے آپؐ کے پاؤں میں ورم آ جاتا تھا تو یہ کبھی کبھی کی بات ہے' آپؐ کا معمول نہیں تھا۔ آپؐ نے تو عبادات میں بھی بلکہ ہر کام میں میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''شدت اور سختی کرنے والے ہلاک ہو گئے''۔ آپؐ نے یہ الفاظ تین مرتبہ دہرائے۔ بلاشبہ عبادت اعلیٰ درجے کا نیکی کا کام ہے لیکن اس میں بھی میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے جب کہ

میرے پاس ایک عورت بیٹھی تھی۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون عورت ہے؟ میں نے کہا یہ وہ عورت ہے جس کی نماز کا بہت تذکرہ ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''ٹھہرو! تم پر اتنا ہی واجب ہے جس کی تم طاقت رکھتے ہو..... اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین دین وہ ہے جس کا کرنے والا ہمیشگی اور مداومت کرے۔''

قرآن مجید کی تلاوت بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ قرآن مجید کا ایک حرف پڑھنا دس نیکیاں کمانے کے برابر ہے۔ آپ ﷺ نے واضح فرمایا کہ الٓمٓ تین حروف ہیں' اس کی تیس نیکیاں ہیں۔ اتنے بڑے اجر و ثواب کے عمل میں بھی آپؐ نے غلو کی اجازت نہیں دی۔ بعض صحابہؓ روزانہ ایک پورا قرآن پڑھنا چاہتے مگر آپؐ تین دن سے کم میں پورا قرآن ختم کرنے کی اجازت نہ دیتے۔ آپؐ نے فرمایا: نفل نماز اور تلاوتِ قرآن میں اتنی دیر مشغول رہو جب تک آمادگی رہے' اور جب تھکاوٹ اور اکتاہٹ ہو جائے یا نیند آنے لگے تو تلاوت یا نماز چھوڑ دو۔

حضرت ابوعبداللہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھا کرتا تھا تو آپؐ کی نماز درمیانی ہوتی تھی۔ اسی طرح آپؐ کا خطبہ بھی مختصر ہوتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دین آسان ہے۔ میانہ روی اختیار کرو اور دین پر قوت کے موافق عمل کرو۔ میانہ روی اختیار کرو' میانہ روی اختیار کرو''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی پر نیند کا غلبہ ہو اور وہ نماز میں ہو تو اس کو سو جانا چاہیے' یہاں تک کہ نیند اس سے چلی جائے' اس لیے کہ جب کوئی نماز پڑھتا ہے اور اونگھتا ہے تو وہ نہیں جانتا کہ اپنی زبان سے کیا الفاظ ادا کر رہا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ مغفرت طلب کر رہا ہو لیکن اس کی زبان سے بددعا نکل رہی ہو۔''

اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں کہ انسان عبادت میں سخت مشقت برداشت کرے۔ وہ عبادت میں اتنا ہی وقت لگائے جتنی اس میں استطاعت ہو۔ اگر کوئی زیادہ وقت عبادت کرنے کا شوق رکھتا تو آپؐ میانہ روی اختیار کرنے کی نصیحت فرماتے۔ بعض نیک اعمال میں خاص حالات میں نرمی اور رخصت دی گئی ہے۔ مثلاً پانی نہ ملے تو تیمّم کر لے۔ انسان سفر میں ہو اور نماز کا وقت آ جائے تو نماز قصر کرے' یعنی چار رکعتوں کے بجائے دو پڑھے۔ مسنون سفر میں پوری نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے' قصر پڑھنا ضروری ہے۔ اگر موسم شدید ہو یا بارش ہو اور مسجد میں جانا مشکل ہو تو گھر میں نماز کی اجازت ہے۔ مخصوص حالات میں ظہر اور عصر ملا کر یا مغرب اور

عشاء ملا کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ جہاں جہاں رخصت دی گئی ہے وہاں رخصت کو چھوڑ دینا اور اسے عزیمت سمجھنا درست نہیں۔ رخصت کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر اُس سے فائدہ اٹھانا ہی پسندیدہ ہے۔

سخت سردی میں وضو کرنا اور بار بار پاؤں دھونا تکلیف دہ امر ہے' چنانچہ شدید موسم میں ایک دفعہ وضو کر کے موزے پہن لیے جائیں تو بار بار وضو کرتے وقت پاؤں پر مسح کر لینا کافی ہے' پاؤں دھونا ضروری نہیں۔ ایک دفعہ وضو کر کے موزے پہن لیے جائیں تو ایک دن اور رات کے لیے پاؤں دھونے کی بجائے موزوں پر مسح کر لیا جائے۔ حالتِ سفر ہو تو موزوں پر مسح تین دن رات تک کیا جا سکتا ہے۔ قربانی اسی شخص پر لازم ہے جو اس کی استطاعت رکھتا ہو' لہٰذا نادار پر قربانی واجب نہیں۔ غریب کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ادھار لے کر قربانی کرے' یہ خود اپنے آپ کو مشکل میں ڈالنا ہے۔ اگر نادار آدمی نے ادھار لے کر قربانی خرید لی مگر وہ گم ہو گئی تو اُسے نیا جانور لے کر لازماً ذبح کرنا ہوگا۔ یہ اس لیے کہ اُس نے قربانی خود اپنے اوپر لازم کی تو اب بہر حال اُسے قربانی کرنا ہوگی۔ اسی طرح غریب آدمی پر حج فرض نہیں' اگر وہ بھیک مانگ کر حج پر جانے کی کوشش کرے تو درست نہیں۔ ایسے آدمی کو چاہیے کہ وہ حج کا شوق ضرور رکھے۔ اللہ تعالیٰ اُسے زندگی میں استطاعت دے تو حج کر لے' ورنہ چاہت اور نیت کی بنا پر اُسے حج کا ثواب مل جائے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھانے والوں کو نماز میں ہلکی قراءت کرنے کا حکم دیا تاکہ کمزور اور بیمار آسانی کے ساتھ باجماعت نماز پڑھ سکیں اور دقت محسوس نہ کریں۔ البتہ اکیلا شخص اگر نفل نماز پڑھے تو اُس کے لیے لمبی قراءت پسندیدہ ہے۔ جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں جلدی آنے کا حکم ہے۔ مگر جب نماز پڑھی جا چکے تو مسجد سے نکل کر روزی کمانے کی خاطر کاروبار میں لگ جانے کا کہا گیا ہے۔ گویا اسلامی تعلیمات میں کسی وقت بھی عقلِ سلیم کے مخالف چلنے کو پسند نہیں کیا گیا۔ جو بندہ محنت کے ساتھ رزقِ حلال کماتا ہے اُسے اچھا کھانے پینے' پہننے' اچھی رہائش اختیار کرنے اور عمدہ سواری رکھنے سے روکا نہیں گیا۔ اُس پر یہی لازم ہے کہ وہ اپنے مال سے زکوٰۃ ادا کرے اور اس کا ایک حصہ ناداروں اور غریبوں میں تقسیم کرے۔

اگر کسی شخص کا معمول ہو کہ وہ ایک وظیفہ ہر روز معین تعداد میں کرتا ہو مگر کسی دن وہ بیماری کے سبب وہ ذکر نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اُس کے عذر کو تسلیم کرتا ہے اور ناغے کے دن کا بھی اُسے

اجر دیتا ہے۔ اسی طرح کوئی آدمی سویا ہوا ہو اور نیند کے دوران اُس کی نماز کا وقت گزر جائے تو اُس کو رعایت ہے کہ جب اُس کی آنکھ کھلے تو نماز ادا کر لے۔ نیند کی غفلت کی وجہ سے اسے معذور سمجھ لیا جاتا ہے اور اس کی خطا معاف کر دی جاتی ہے۔ ایک شخص سالہا سال برائیوں میں گھرا رہتا ہے اور اپنے نامۂ اعمال میں ڈھیروں گناہ اکٹھے کر لیتا ہے۔ مگر اچانک اُسے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خیال آتا ہے تو سچی توبہ کر کے معصیت کی زندگی کو مکمل طور پر ترک کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے پچھلی زندگی کے گناہ معاف کر دیتا ہے' بلکہ محکم خلوصِ نیت پر برائیوں کو نیکیوں میں بھی بدل دیتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص ننانوے قتل کر چکا تھا' اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور راہ راست پر آنے کا خیال آیا۔ وہ کسی راہب کے پاس گیا اور پوچھا کہ کیا اس کے لیے توبہ کا کوئی امکان ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ وہ طیش میں آیا اور اس راہب کو بھی قتل کر دیا۔ پھر تلاشِ حق میں نکلا' ایک عالم سے ملا اور اُس سے وہی سوال کیا۔ عالم نے کہا کہ تمہارے اور تمہاری توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟ سچی توبہ کرو گے تو سارے گناہ بخشش دیے جائیں گے..... (بخاری و مسلم)

عائلی زندگی گزارنا انسان کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نکاح میری سنت ہے''۔ میاں بیوی مل کر ایک خاندان کی بنیاد رکھتے ہیں۔ ایک مرد کے لیے ایک عورت ہے' اگر وہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا چاہے تو اس کے لیے چار تک جواز کی سہولت ہے اگر وہ ان میں انصاف کر سکے۔ اگر میاں بیوی کا گزارہ نہ ہو سکے تو طلاق یا خلع کے ذریعے نکاح کو ختم کیا جا سکتا ہے' لیکن اس option کو ناگزیر صورت میں اختیار کیا جا سکتا ہے' ورنہ مصالحت کی ہر ممکن صورت سے فائدہ اٹھایا جانا چاہیے۔

صفائی' ستھرائی اور سادگی دین اسلام کی اہم تعلیم ہے۔ گھر میں شادی ہو تو خوشی منائی جائے' کیونکہ یہ فطری عمل ہے۔ لیکن اس موقعہ پر فضول خرچی اور نمود و نمائش والے کام اسراف و تبذیر کے زمرے میں آتے ہیں اور گناہ کے کام ہیں۔ اکثر اوقات یہ فضول کام کرنے کے لیے قرضہ لیا جاتا ہے جو گناہ کو اور بھی سنگین کر دیتا ہے۔ شادی کے موقعہ پر خوشی تو لڑکے والے کے گھر ہوتی ہے جہاں خانہ آبادی ہو رہی ہوتی ہے۔ لہٰذا ولیمہ کرنا اور اس خوشی کے موقعہ پر دوست احباب اور عزیز رشتہ داروں کو دعوت پر بلانے کا حکم ہے' تاکہ خوشی دوبالا ہو جائے۔ مگر شادی کے ضمن میں لڑکی والوں پر کسی طرح کے اخراجات کا بار نہیں ہے' نہ دعوت' نہ جہیز' نہ

بارات کی آمد۔لڑکی والے سادگی کے ساتھ اپنی پیاری اور لاڈلی بیٹی کو رخصت کریں اور اپنی ذمہ داری سے فارغ ہوں ۔لیکن آج کل ایسا نہیں کیا جاتا' اسی لیے بیٹی کی پیدائش پر غم اور ناخوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

اسی طرح موت بھی اٹل حقیقت ہے۔جس گھر کا کوئی فرد فوت ہو جائے تو اس موقعہ پر پس ماندگان کو نہ جزع فزع کی اجازت ہے نہ رونے پیٹنے کی' بلکہ اس صدمے کو اللہ کا فیصلہ سمجھ کر صبر کے ساتھ برداشت کرنا اجر عظیم کا باعث ہے۔کئی دن تک سوگ منانے اور غم کی یاد میں فضول رسمیں اسلام میں نہیں ہیں۔تعزیت کے لیے آنے والے بھی اسے اللہ کا حکم سمجھیں۔یہ نہ کہیں کہ بڑا افسوس ہے' بلکہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہیں' پس ماندگان کو صبر کی تلقین کریں اور اجر کی خوشخبری سنائیں۔کسی کی وفات پر نمازِ جنازہ اور کفن دفن کے علاوہ کچھ مسنون نہیں۔ہاں فوت ہو جانے والے کے لیے' بلاتعین اوقات' مغفرت کی دعا کرنا مسنون اور مفید ہے۔الغرض دین اسلام کے تمام احکام میں سہولت، سادگی اور خوبی پائی جاتی ہے۔اگر معاشرہ ان احکام پر عمل پیرا ہو تو ہر سو امن وسلامتی کا دور دورہ ہو۔اسی لیے دینِ اسلام کو ''دینِ وَسَط'' یعنی افضل دین کہا گیا ہے۔ ❁❁❁

بقیہ: بیان القرآن

آیت ۲۸ ﴿قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: (ٹھیک ہے) یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی۔''

﴿اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ﴾ ''ان دونوں میں سے جو مدت بھی میں پوری کردوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔''

یعنی آپ کا مطالبہ مجھ سے آٹھ سال کا ہی ہوگا۔اگر میں دس سال پورے کردوں تو یہ میرا اختیار ہوگا' آپ مجھے اس پر مجبور نہیں کریں گے۔

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۲۸﴾ ''اور جو کچھ (اس وقت) ہم کہہ رہے ہیں' اللہ اس پر وکیل ہے۔''

یعنی ہمارے اس قول وقرار اور معاہدے کا گواہ اور ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔

❁❁❁

غیبت کی حرمت وشناعت اور علاج

جمیل الرحمٰن عباسی ☆

سورۃ الحجرات کی آیات ۱۱ و۱۲ میں معاشرتی و مجلسی برائیوں کے متعلق چھ احکام نہی و ممانعت کے صیغے میں بیان ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نزدیک یہ وہ برائیاں ہیں جن کے ارتکاب سے مسلمانوں کا باہمی رشتہ مودّت ومحبت ختم ہو جاتا ہے اور نفرت وکدورت دلوں میں بیٹھ جاتی ہے' جبکہ مسلمان افراد اور قبائل کو ایک امت کی صورت متحد رکھنے کے لیے ان برائیوں سے بچنا بہت ضروری ہے۔(۱) غیبت انہی برائیوں میں سے ایک ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م:۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) نے ''حُجّۃ اللہ البالغہ'' میں احسان کے مباحث میں غیبت کا ذکر ان برائیوں کے ذیل میں کیا ہے جو انسانی شرافت وعدالت کو مجروح کرنے اور فسادِ باہمی کا باعث بنتی ہیں۔ گویا کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے درجۂ احسان کی طرف گامزن ہونے میں ایک رکاوٹ غیبت بھی ہے۔ غیبت کی اسی اہمیت کے پیش نظر اس سماجی برائی کو باقاعدہ موضوع بنا کر سمجھنے کی ضرورت ہے' کیونکہ اصلاحِ احوال کا انحصار اس کے بغیر ممکن نہیں۔

لفظ غیبت کا لغوی مفہوم

عربی زبان کے مادّے ''غ ی ب'' سے فعل غَابَ یَغِیبُ کا مصدر غَیْبًا ہے' جو اِخفا یا عدمِ ظہور پر دلالت کرتا ہے' جیسا کہ سورج کے غروب ہونے کے لیے غَابَتِ الشَّمْسُ استعمال ہوتا ہے۔ اسی مادّے سے باب افتعال کا مصدر ''اِغْتِیَاب'' ہے' جس کا معنی کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی کرنا ہے۔ لفظ ''الغِیبَۃ'' (غیبت) اسی سے اسم ہے۔

غیبت کی اصطلاحی تعریف

غیبت کی تعریف متعین کرنے کے لیے مندرجہ ذیل احادیث کا مطالعہ مفید رہے گا:

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَةُ؟)) قَالُوْا:

☆ معاون ناظم تعلیم وتربیت' تنظیم اسلامی پاکستان

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ: ((ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَكْرَهُ)) قِیْلَ: اَفَرَاَیْتَ اِنْ كَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ؟ قَالَ: ((اِنْ كَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ ، وَاِنْ لَمْ یَكُنْ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ))(۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ''کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟'' صحابہؓ نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارا اپنے (مسلمان) بھائی کے بارے میں ایسا ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہو''۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر وہ بات واقعتاً میرے بھائی میں پائی جائے تو؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جو بات تم نے کہی وہ اس میں واقعتاً موجود ہو تو یہ غیبت ہے' اور اگر وہ چیز موجود ہی نہیں جو تم نے ذکر کی پھر تو یہ بہتان ہے۔''

عَنِ الْمُطَّلِبِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَنْطَبَ الْمَخْزُوْمِیِّ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا الْغِیْبَةُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَنْ تَذْكُرَ مِنَ الْمَرْءِ مَا یَكْرَهُ اَنْ یَسْمَعَ)) قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنْ كَانَ حَقًّا؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِذَا قُلْتَ بَاطِلاً فَذٰلِكَ الْبُهْتَانُ))(۳)

عبداللہ بن حنطبؒ (تابعی) روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا: غیبت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ''(غیبت یہ ہے کہ) تم کسی شخص کا ایسا ذکر کرو جو سننے پر اسے ناگوار محسوس ہو''۔ اُس آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر وہ تذکرہ سچا ہو؟ فرمایا: ''(یہی تو غیبت ہے) اور اگر تم نے جھوٹ کہا تو یہ بہتان ہے۔''

مختلف علمائے کرام کی تعریفاتِ غیبت

علامہ ابن الاثیر (م:۶۰۶ھ/۱۲۱۰ء) نے غیبت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

اَنْ یُذْكَرَ الْاِنْسَانُ فِیْ غَیْبَتِهٖ بِسُوْءٍ وَاِنْ كَانَ فِیْهِ، فَاِذَا ذَكَرْتَهٗ بِمَا لَیْسَ فِیْهِ فَهُوَ الْبُهْتَانُ (۴)

''کسی انسان کی غیر موجودگی میں اس کی کسی بُرائی کے ذکر کو غیبت کہتے ہیں جو اس میں واقعتاً موجود ہو' اور اگر ایسی بات کا ذکر کیا جائے جو اس میں ہے ہی نہیں تو یہ بہتان ہے۔''

ابن التین التونسی (م:۶۱۱ھ) فرماتے ہیں:

الْغِيبَةُ ذِكْرُ الْمَرْءِ بِمَا يَكْرَهُهُ بِظَهْرِ الْغَيْبِ (۵)

''غیبت کسی کی غیر موجودگی میں اس کا ایسا ذکر کرنا ہے جسے وہ ناپسند کرے۔''

شارح بخاری علامہ شمس الدین کرمانیؒ (۷۸۶ھ/۱۳۸۴ء) فرماتے ہیں:

الْغِيبَةُ اَنْ تَتَكَلَّمَ خَلْفَ الْاِنْسَانِ بِمَا يَكْرَهُهُ لَوْ سَمِعَهُ وَكَانَ صِدْقًا (۶)

''غیبت یہ ہے کہ تم کسی انسان کے پس پشت اس کے بارے میں ایسی باتیں کرو جنہیں اگر وہ سن لے تو ناپسند کرے اگرچہ بات سچی ہو۔''

امام قرطبیؒ (۶۷۱ھ/۱۲۷۳ء) نے غیبت کی اصطلاحی تعریف ایک فارمولے کی صورت میں یوں نقل کی ہے: ''ذِكْرُ الْعَيْبِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ''(۷)

اِبن ادریس المالکی (۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء) حدیث مبارکہ ((اَلْغِيبَةُ اَنْ تَذْكُرَ فِي الْمَرْءِ مَا يَكْرَهُ اِنْ سَمِعَ)) نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَاَنَّهُ لَا يُسَمَّى غِيبَةً اِلَّا اِذَا كَانَ غَائِبًا لِقَوْلِهِ (اِنْ سَمِعَ) فَدَلَّ ذٰلِكَ عَلَى اَنَّهُ لَيْسَ بِحَاضِرٍ (۸)

''اور ذکرِ عیب اسی صورت غیبت کہلائے گا جب صاحبِ عیب غائب ہو کیونکہ الفاظ (اِنْ سَمِعَ) ''اگر وہ سنے'' دلالت کرتے ہیں کہ وہ حاضر نہیں ہے۔''

پس کسی کی غیر موجودگی میں اس کے کسی حقیقی عیب کا ذکر کرنا کہ معلوم ہونے پر وہ اسے ناپسند کرے تو یہ غیبت ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

الغيبة: أن تقولَ ما فيه، والبهتانُ: أن تقولَ ما ليس فيه (۹)

''غیبت یہ ہے کہ تو دوسرے کے متعلق ایسی برائی کا ذکر کرے جو اس میں موجود ہو اور بہتان یہ ہے کہ تو ایسی چیز کا ذکر کرے جو اس میں موجود ہی نہ ہو۔''

ایک اشکال جو غیبت کرنے والوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے کہ ہم اُس کے منہ پر بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ غیبت ہونے کا دارومدار دوسرے فریق کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی پر ہے، نہ کہ منہ در منہ جتلا سکنے کی ہمت پر۔ پس اگر کوئی ایسی بات کسی کے پس پشت ذکر کی جائے کہ جس کا علم ہونے پر اسے ناگواری محسوس ہو تو یہ غیبت ہے۔

عون بن عبداللہؒ (قبل ۱۲۰ھ) نے اس فرق کو یوں بیان کیا:

اِذَا قُلْتَ مَا فِي الرَّجُلِ وَاَنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهُ يَكْرَهُ ذٰلِكَ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ (۱۰)

''جب تم کسی کی ایسی خامی کا ذکر کرو جو اس میں موجود ہو اور تمہیں معلوم ہو کہ وہ بات اسے ناگوار گزرے گی تو تم نے اس کی غیبت کی۔''

عیب کی نوعیت

یہ تو واضح ہو چکا کہ کسی کے حقیقی عیب کو اس کی غیر موجودگی میں ذکر کرنا غیبت ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس عیب کی نوعیت کیا ہے۔ یعنی کس قسم کے عیوب کا ذکر اور کس قسم کے بیانات غیبت کے زمرے میں آتے ہیں۔ ایک غلط خیال یہ پھیلا ہوا ہے کہ کسی کے دینی یا شرعی عیب کا ذکر غیبت ہے اور کسی کے دنیاوی معاملات یا جسمانی عیب وغیرہ کا ذکر غیبت کے زمرے میں نہیں آتا۔ اسی طرح ایک خیال یہ بھی پایا جاتا ہے کہ جسمانی عیوب کا ذکر تو غیبت ہے، لیکن کسی کے دینی عیب کا ذکر غیبت میں شامل نہیں ہے۔ حالانکہ دونوں قسم کے عیوب کا ذکر غیبت میں شامل ہے۔ یعنی کسی شخص کا عیب، چاہے دینی ہو یا دنیوی، اس کی غیر موجودگی میں ذکر کرنا غیبت میں شامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محولہ بالا احادیث میں عیب کے بیان کے لیے لفظ ''مَا'' استعمال کیا گیا ہے، جو عموم پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا غیبت میں کسی عیب کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں، اور ہر قسم کے عیوب جب کہ وہ پس پشت ذکر کیے جائیں، غیبت میں شمار ہوں گے۔ اہلِ علم نے غیبت کی تعریف میں اس نکتے کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

ابن ادریس المالکیؒ حدیث مبارکہ (اَلْغِيبَةُ اَنْ تَذْكُرَ فِي الْمَرْءِ مَا يَكْرَهُ اِنْ سَمِعَ) میں وارد شدہ حرف ''ما'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَهُوَ يَتَنَاوَلُ جَمِيعَ مَا يُكْرَهُ ، لِاَنَّ مَا مِنْ صِيَغِ الْعُمُومِ

''اور غیبت میں ہر وہ چیز شامل ہے جو کسی کو ناگوار گزرے، کیوں کہ حرفِ ''مَا'' عموم کا فائدہ دیتا ہے۔''(۱۱)

حُجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد الغزالیؒ (۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) نے غیبت کی تعریف میں اس نکتے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اعلم ان حد الغيبة ان تذكر اخاك بما يكرهه لو بلغه سواه ذكرته بنقص فى بدنه او نسبه او فى خلقه او فى فعله او فى قوله او فى دينه او فى دنياه حتّٰى فى ثوبه وداره ودابته (۱۲)

''جان لو غیبت یہ ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں ایسی چیز کا ذکر کرو جو اسے ناگوار گزرے، اور عیب مذکورہ چاہے اس شخص کے جسم، نسب، اخلاق، قول وفعل،

دین و دنیا حتیٰ کہ اس کے لباس، گھر اور سواری کے متعلق ہی کیوں نہ ہو، ان تمام صورتوں میں یہ غیبت کہلائے گی۔''

امام محمد بن احمد شمس الدین القرطبیؒ (۶۷۱ھ) نے اپنی تفسیر میں غیبت میں مذکور عیوب کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

سواء فی ذلك ان یکون ما یکرهه الانسان فی بدنه او نسبه او خلقه او قوله او فعله او فی غیر ذلك

''غیبت ہونے میں وہ تمام چیزیں برابر ہیں جو کسی انسان کو ناگوار گزریں اور وہ مذکورہ بات چاہے اس کے بدن، نسب، عادات یا کسی اور قول و فعل کے متعلق ہو۔''

شیخ الاسلام امام یحییٰ بن شرف النوویؒ (۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء) غیبت کی تعریف میں یوں رقم طراز ہیں:

الغیبة: فهی ذكرُك الانسانَ بما فیه مما یكرهُ، سواءٌ كان فی بدنه، او دینه، او دنیاهُ، او نفسه، او خلقه، او خلُقه، او ماله، او ولده، او والده، او زوجه، او خادمه، او مملوكه، او عمامته، او ثوبه، او مشیته، وحركته، وبشاشته، وخلاعته، وعبُوسه، وطلاقته، او غیر ذلك مما یتعلق به، سواءٌ ذكرتهُ بلفظك او كتابك، او رمزتَ، او اشرتَ اِلیه بعینك، او یدك، او رأسك، او نحو ذلك(۱۳)

''غیبت کسی انسان کا اس انداز میں ذکر کرنا ہے جسے وہ ناپسند کرے، چاہے یہ ذکر اس کے بدن کے بارے میں ہو، یا اس کے دین، دنیا، ذات، شکل وصورت یا عادات و اخلاق یا مال واولاد وازواج، والدین، یا نوکر وغلام، لباس، چال وحرکت، چہرے کی تازگی یا درماندگی، بدمزاجی یا خوش مزاجی یا دیگر امور کے بارے میں ہو، اور یہ بھی کہ یہ ذکر چاہے الفاظ کے ذریعے ہو یا کتابت کے ذریعے یا آنکھ وہاتھ یا سر کے رمز واشارے سے کیا جائے۔''

علامہ محمد بن علی تھانویؒ (بعد ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء) لکھتے ہیں:

الغیبة: ان تذكر اخاك بما یكرهه لو بلغه، سواء ذكرت نقصانا فی بدنه او فی لبسه، او فی خلقه، او فی فعله، او فی قوله، او فی دینه، او فی دنیاه، او فی ولده، او فی ثوبه، او فی داره، او فی دابّته (۱۴)

''غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کے بارے میں وہ چیز بیان کرے جسے وہ ناپسند کرے، اگرچہ اس میں وہ چیز موجود ہو۔ مذکورہ عیب چاہے اس کے بدن، لباس، اخلاق، قول و

فعل، دینی یا دنیاوی کمزوری کے بارے میں ہو، تمام صورتوں میں یہ غیبت کہلائے گا۔''

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ (۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء) لکھتے ہیں:

اعلم ان حد الغیبة ان تذكر اخاك بما یكرهه لو بلغه، سواء ذكرته بنقص فی بدنه او نسبه او فی خلقه او فی فعله او فی قوله او فی دینه حتی فی ثوبه وداره ودابته (۱۵)

''جان لو، غیبت یہ ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کا ایسا ذکر کرو جو اگر وہ جان لے تو ناگواری محسوس کرے، چاہے اس کے بدن، نسب یا صورت وشکل کی کمی کا ذکر کیا جائے یا اس کے قول وفعل یا دینی عیوب کے بارے میں بات کی جائے، یہاں تک کہ اس کے لباس، گھر یا سواری کے بارے میں بھی ناگوار ذکر کرنا غیبت ہے۔''

امیر المؤمنین فی الحدیث سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ/۷۷۸ء) فرماتے ہیں:

اَدْنَی الْغِیبَةِ اَنْ تَقُولَ اِنَّ فُلَانًا جَعْدٌ قَطَطٌ اِلَّا اَنَّهُ یُكْرَهُ ذٰلِكَ(۱۶)

''ادنیٰ درجے کی غیبت یہ ہے کہ تم کسی کے چھوٹے چھوٹے گھنگریالے بالوں کا ذکر کرو مگر وہ اسے ناپسند کرتا ہو۔''

سرسری طور پر ان علماء کی آراء کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے بہت زیادہ حساسیت کا مظاہرہ کیا ہے اور تمام ہی چیزوں کو غیبت قرار دے دیا ہے، لیکن درحقیقت یہ وسعت خود سنتِ نبویؐ سے ماخوذ ہے۔ ذیل میں چند احادیث پیش کی جارہی ہیں، ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعتاً غیبت کی حدود و قیود صرف اخلاقی عیوب تک محدود نہیں، بلکہ ہر قسم کے عیوب کا شمار غیبت میں ہوسکتا ہے جب کہ وہ پسِ پشت ذکر کیے جائیں۔

۱) حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَنَّ عَائِشَةَ حَكَتْ امْرَاَةً عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ ذَكَرَتْ قِصَرَهَا، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((قَدِ اغْتَبْتِیهَا)) (۱۷)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک عورت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس عورت کے چھوٹے قد کا ذکر کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اس عورت کی غیبت کردی۔''

۲) سیدہ عائشہؒ بنت طلحہ بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ وہ اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئیں تو ان کے پاس ایک دیہاتی خاتون بیٹھی ہوئی تھی۔ جب وہ جانے لگی تو دامن گھسیٹتے ہوئی نکلی تو میں نے اُمّ المومنین سے کہا: اس کا دامن کتنا لمبا ہے! تو

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

اِغْتَبْتِيهَا اَدْرِكِيهَا تَسْتَغْفِرُ لَكَ(۱۸)

''تم نے اس کی غیبت کی ہے' اس کے پاس جاؤ (اور اس سے معذرت طلب کرو) تاکہ وہ تمہارے لیے استغفار کرے۔''

۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے جب کہ ایک آدمی آپ کے پاس کھڑا تھا اور اس کے کھڑے ہونے کے انداز میں کچھ نقاہت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ کسی نے کہا کہ وہ کتنا نحیف ہے! تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِغْتَبْتُمْ صَاحِبَكُمْ وَاَكَلْتُمْ لَحْمَهُ))(۱۹)

''تم نے اپنے بھائی کی غیبت کی اور اس کا گوشت کھایا۔''

۴) ابن شہاب زہریؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ درخت پر چڑھے تاکہ اس کی شاخ توڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسواک بنائیں تو کسی نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود کی پنڈلیاں کس قدر پتلی ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لَهُمَا فِي الْمِيزَانِ اَثْقَلُ مِنْ اُحُدٍ وَقَدِ اغْتَبْتَهُ))(۲۰)

''مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے' یہ (پنڈلیاں) میزان میں اُحد پہاڑ سے بھاری ہوں گی' اور تم نے اس کی غیبت کی ہے۔''

۵) **عن عبد الرحمن بن الحارث انه بلغه ان النبی ﷺ بينا هو يسير إذ أتاه اعرابی فجعل يسأله فاقبل عليه النبی ﷺ، فقال القوم: ألا تعجبكم قلة حياء هذا الاعرابی حال بينا وبين النبی ﷺ فوقصه بعيره فقتله، فقال النبی ﷺ: ((أنزلوا إلى صاحبكم فغيبوه، والذی نفسی بيده لقد اصيب وإن افواهكم لتنطف من دمه))** (۲۱)

عبدالرحمٰن بن حارث سے روایت ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے تھے کہ اتنے میں ایک دیہاتی آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہو گئے تو کچھ لوگ ایک دوسرے کو کہنے لگے: تمہیں اس بدو کی بے شرمی پر حیرت نہیں ہوتی کہ کس طرح آ کر ہمارے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل ہو گیا۔ اتنے میں اس بدو کو اونٹ نے کچل ڈالا اور وہ وفات پا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا: ''اترو اور اپنے ساتھی کو دفن کرو۔ مجھے قسم ہے اُس ہستی کی جس کے قبضہ قدرت

میں میری جان ہے' اس دیہاتی کو یہ حادثہ پیش آیا جبکہ تمہارے مونہوں سے اس کا خون ٹپک رہا تھا۔''

۶) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: اہلِ عرب کی عادت تھی کہ وہ دورانِ سفر ایک دوسرے کی خدمت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ایک سفر میں تھے اور ان کا ایک ساتھی ان کی خدمت پر مامور تھا۔ ایک دن نیند سے بیدار ہو کر انہوں نے دیکھا کہ اس شخص نے کھانا نہیں بنایا اور سو رہا ہے۔ انہوں نے آپس میں ناگواری سے کہا کہ یہ تو اس طرح سویا ہے جیسے اپنے گھر میں ہو' یا یہ کہ یہ تو بہت ہی زیادہ سونے والا ہے۔ پھر اسے جگا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا کہ ان سے کچھ کھانا مانگ کر لائے۔ پس جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''ان دونوں نے تو ناشتا کر لیا ہے''۔ وہ شخص جلدی سے شیخین کے پاس آیا اور یہ بات بتائی تو وہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے تو ناشتا نہیں کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((بِلَحْمِ اَخِيكُمَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اِنِّي لَاَرَى لَحْمَهُ بَيْنَ اَنْيَابِكُمَا)) ''تم نے اپنے بھائی کے گوشت سے ناشتا کیا ہے' مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں تمہارے دانتوں میں اس کا گوشت دیکھ رہا ہوں''۔ انھوں نے عرض کیا: ہمارے لیے استغفار فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((هُوَ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمَا)) ''اُس کے پاس جاؤ تاکہ وہ تمہارے لیے استغفار کرے۔''(۲۲)

اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ معمولی نکتہ چینی کا شمار بھی غیبت میں ہوتا ہے' وہیں اس روایت سے تحریکی زندگی کے لیے رہنمائی ملتی ہے کہ ساتھیوں کی فروگزاشتوں پر نظر رکھنے کے بجائے اپنے کام پر توجہ کی جائے۔ دینی تحریکوں کے کارکنان کے لیے اصل یہ ہے کہ دوسرے کی کوتاہی کو دیکھنے کے بجائے خود آگے بڑھ کر کام کریں بلکہ ساتھیوں کی کمی بھی اپنی محنت سے پوری کریں۔

عام معاشرتی زندگی میں غیبت

غیبت کی مندرجہ بالا اقسام ہمارے معاشرے میں عام پائی جاتی ہیں۔ دوستوں اور خاندانی محفلوں میں دوسرے لوگوں کے اخلاق و کردار' عادات واطوار' صحت وحسن' امارت و

غربت‘ رہن سہن کے متعلق ہماری اکثر گفتگو دوسروں کی غیبت پر مشتمل ہوتی ہے‘ حتیٰ کہ گھروں اور خاندانوں کے پوشیدہ معاملات بھی بلا جھجک زیر بحث رہتے ہیں۔ ان محفلوں میں بات شروع تو غیبت سے ہوتی ہے جو تہمت اور بہتان تک پہنچ جاتی ہے۔ (الا ماشاء اللہ!)

دینی لوگوں کی غیبت

دینی لوگوں کی غیبت عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ وہ عام طور پر شکل وصورت اور حسب ونسب یا کاروبار وغیرہ کے بارے میں غیبت نہیں کرتے‘ بلکہ لوگوں کے دینی عیوب‘ عقائد واعمال کی خرابیوں‘ بدعملی وغیرہ کے ذکر کے ذریعے غیبت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ غیبت کی یہ قسم سب سے خطرناک ہے‘ کیونکہ اس صورت میں غیبت کرنے والا اپنی دانست میں نیکی کر رہا ہوتا ہے اور اپنے اس تبصرے کو وہ دعوت وتبلیغ کے لیے ناگزیر سمجھتا ہے‘ حالانکہ حقیقت میں یہ غیبت ممنوعہ ہے اور اس کا مرتکب اپنی نیکیوں کو اکارت کروا بیٹھتا ہے۔

تحریکی زندگی میں غیبت

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت اسلام کی بقاء واِحیاء اور غلبہ واقامت کے میدان میں کئی جماعتیں سرگرمِ عمل ہیں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ان جماعتوں سے منسلک ہو کر اپنے فرائض ادا کر رہی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ‘ اس کے رسول ﷺ اور دین اسلام کے نام پر اکٹھا ہونا باعث سعادت ہے‘ لیکن یاد رہنا چاہیے کہ ہر وہ طرزِ عمل مذموم اور ناراضیٔ ربّ کا باعث ہے جو اس اجتماعیت کے لیے نقصان دہ ہے۔ غیبت اسی طرح کا ایک طرزِ عمل ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ نے غیبت کو جماعتی زندگی میں رخنہ اندازی کا بڑا ذریعہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

> ’’غیبت یہ ہے کہ اپنے کسی بھائی کی کسی برائی یا عیب کا ذکر اس کی عدم موجودگی میں کرنا۔ ویسے تو یہ باتیں ہمارے عام مجلسی اور معاشرتی آداب میں شامل ہیں‘ لہٰذا ہر مسلمان کے ساتھ یہی معاملہ کرنا ہے‘ لیکن اقامتِ دین جیسے عظیم مقصد کے لیے قائم کی گئی جماعت کے رفقاء کے لیے ان احکامات کی ضرورت واہمیت سوگنا بڑھ جاتی ہے اور انہیں ان تمام چیزوں کا سوگنا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے‘ اس لیے کہ یہاں شیطان سو گنا زیادہ زور لگائے گا۔‘‘ (حزب اللہ کے اوصاف‘ ص:۲۶۹)

اراکین ورفقائے جماعت دانستہ ونادانستہ اس برائی میں ملوث ہوتے ہیں‘ نتیجتاً دلوں میں رنجشیں ونفرتیں گھر کر لیتی ہیں‘ ایثار وقربانی اور مودّت ورحمت کے جذبات مرجاتے ہیں اور سمع و

طاعت کے لیے درکار فضا کبھی پیدا نہیں ہوسکتی۔

البتہ سمجھنا چاہیے کہ ان لوگوں کی غیبت عام لوگوں کی غیبت سے ذرا مختلف ہوتی ہے۔ وہ عام مسلمانوں کی طرح تحریکی ساتھیوں کی شکل وصورت اور دنیاوی معاملات میں غیبت نہیں کرتے‘ بلکہ ان کی غیبت ذرا مختلف نوعیت کی ہوتی ہے جسے سمجھنا چاہیے۔

رفقاء کی باہمی غیبت: رفقاء کی باہمی غیبت سے مراد ہے کہ ایک رفیق کسی دوسرے رفیق کی غیر موجودگی میں اس کے کسی عیب مثلاً نظم کی کوتاہی‘ وقت پر کام نہ کرنے‘ لٹریچر کا مطالعہ نہ کرنے یا عبادت کے شغف میں کمی‘ یا اقامتِ دین کے مشن میں مخلص نہ ہونے وغیرہ کا ذکر کرے۔ یہ ذکر کبھی دو رفقاء کے سامنے ہوسکتا ہے اور کبھی سرِ محفل۔ دونوں صورتوں میں اس کی خطرناکی واضح ہے۔

اصلاح کیسے ہو؟: جب کسی کے عیب کے ذکر کے بارے میں اتنی سختی کی جائے تو پھر جائز طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اصلاح کی صورت کیا ہو؟ بالعموم ہر دینی جماعت نے دینی تعلیمات کی روشنی میں اپنے ارکان کے درمیان احتساب واصلاح کے لیے ایک ترتیب بنا رکھی ہوتی ہے۔ پس ﴿وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪﴾ (البقرۃ:۱۸۹) ’’گھروں میں دروازوں کے راستے ہی داخل ہوا کرو‘‘ کے مصداق اسی ترتیب کے مطابق اصلاح کی جائے گی تو اصلاح ہوگی‘ ورنہ فساد برپا ہوگا۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ’’جماعتی نظم کے حوالے سے غیبت خاص طور پر قابلِ وضاحت ہے۔ جان لیجیے کہ ایک تو تنقید ہوتی ہے کہ کسی کو اس کی کسی کمزوری‘ کوتاہی اور کسی عیب وغیرہ پر متنبّہ اور مطلع کرنا۔ یہ تو اصلاح کے لیے اجتماعیت کی ایک اہم اور ناگزیر ضرورت ہے‘ لیکن اس کے کچھ آداب ہیں۔ اوّلاً یہ کہ آپ اپنے کسی بھائی میں کوئی کمزوری دیکھیں تو خود اُس سے اُس معاملے میں بات کریں‘ اسے تنہائی میں سمجھائیں اور مطلع کریں‘ سب کے رُوبرو اُس کا تذکرہ نہ کریں۔ ثانیاً آپ کے انداز میں اس حد تک دل سوزی ہو کہ وہ خود محسوس کرے کہ میرے سامنے یہ بات کر کے اسے کوئی خوشی نہیں ہو رہی‘ یہ کوئی لذت نہیں لے رہا‘ کوئی اپنی بڑائی کا اظہار نہیں کر رہا اور میری عزتِ نفس کو مجروح کرنا اس کے پیش نظر نہیں ہے‘ بلکہ یہ فی الواقع دل سے میری اصلاح کا خواہاں اور کوشاں ہے۔ یہ دو شرطیں اگر پوری نہ ہوں تو تنقید مہلک اور مضر ثابت ہوتی ہے اور اپنی افادیت کا پہلو کھو دیتی ہے۔‘‘ (حزب اللہ کے اوصاف‘ ص:۲۶۹)

اب اگر ایک رفیق نے دوسرے رفیق کی کسی برائی کی اصلاح کی کوشش کی اور اس کے لیے

مناسب وقت بھی دیا لیکن محسوس ہوا کہ وہ صاحب اصلاح نہیں کر پا رہے تو اس صورت میں اس رفیق کے نقیب یا امیر کو اطلاع دی جا سکتی ہے کہ میں نے اپنی سی کوشش کی' اب آپ سمجھائیں تو شاید فائدہ ہو جائے۔ یہ ذکر عیب چونکہ اب اصلاح کی نیت سے ہو رہا ہے لہٰذا اب یہ غیبتِ محرمہ میں شمار نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''کسی ساتھی نے اپنے اس بھائی کی اصلاح کی انفرادی سطح پر پوری کوشش کر لی' اس سے بار ہا ملا اور تنہائی میں دل سوزی اور خلوص و اخلاص کے ساتھ گفتگو کی' لیکن وہ سمجھ رہا ہے کہ اصلاح کی طرف اس کا کوئی رجحان نہیں ہے اور اس چیز کی اطلاع اصحابِ امر تک پہنچا دینا جماعتی مصلحت کے لیے ضروری ہے اور اس سے مقصود اجتماعیت کو اس کے مضر اور منفی اثرات سے بچانا ہے تو عام رفیق کا کام یہ ہے کہ صاحب نظم کو اس سے مطلع کر کے خاموش ہو جائے۔ دوسرے ساتھیوں میں اس کی برائی کا چرچا کرنا اور لذت لے لے کر اس کا ذکر کرنا انتہائی مہلک شے ہے۔'' (حزب اللہ کے اوصاف' ص: ۲۷۰)

ویسے تو اصلاح کی نیت سے 'مناسب ترتیب' کے ساتھ ہر عیب کی اطلاع نظم بالا کو دی جا سکتی ہے' لیکن ایسے امور کی اطلاع جن سے جماعت یا دین کی بدنامی ہو رہی ہو یا نظم جماعت میں پھوٹ پڑ رہی ہو' بالخصوص اہمیت کی حامل ہے۔ البتہ اس اطلاع میں فیصلہ کن انداز میں ''فردِ جرم'' عائد کرنے کے بجائے امیر کی خدمت میں متعلقہ رفیق کی اصلاح کی درخواست کا عنصر غالب رہنا چاہیے اور قبل از اطلاع خوب سوچ لینا چاہیے کہ ایسا نہ ہو کہ انسان شیطان کے ہتھے چڑھ کر خواہ مخواہ ''شکایات مہم'' شروع کر دے۔ بہر حال اطلاع دینے کے بعد انسان اپنے کام کو ختم سمجھے اور لٹھ لے کر امیر کے پیچھے نہ پڑے کہ ''اصلاح ہوئی کہ نہیں!'' اس حوالے سے ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں:

''اگر صورت دوسری ہے تو وہ (رفیق) بھی اپنے سے بالاتر اصحابِ امر تک اطلاع پہنچائے اور یوں سمجھے کہ اس کی ذمہ داری ختم ہوئی۔ اب یہ معاملہ ان کے ہاتھ میں آ گیا ہے اور وہ اسے کس طور سے نمٹاتے ہیں یہ ان کی ذمہ داری ہے۔''

(حزب اللہ کے اوصاف' ص: ۲۷۰)

مامورین کی نظم بالا کے متعلق غیبت: ماتحت رفقاء کی اپنے امیر یا نظم بالا کے متعلق غیبت عام طور پر عبادت و ریاضت میں سستی' علم و فضل کے فقدان' سخت گیری اور درشت مزاجی' ڈانٹ ڈپٹ کی عادت' قوتِ فیصلہ اور مردم شناسی سے محرومی کے بارے میں ہوتی ہے۔ یہ سمجھ

لینا چاہیے کہ ویسے تو ہر مسلمان کے جان و مال و ناموس محترم ہیں اور انہیں پامال کرنا حرام ہے' لیکن اپنے اُمراء اور ذمہ داران کی غیبت کرنا عام مسلمانوں کی غیبت سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ (۱۴۲۱ھ) اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

واعلم ان الغيبة تزداد قبحًا واثمًا بحسب ما تؤدي اليه، فغيبة العامة من الناس ليست كغيبة العالم او ليست كغيبة الامير او المدير او الوزير او ما اشبه ذلك لانك اذا اغتبت عامة الناس انما تسيء اليه شخصياً فقط، اما اذا اغتبت من له امر فقد اسات اليه والى ما يتولاه من امور المسلمين (۲۳)

''جان لو غیبت کا گناہ اور برائی لوگوں کے فرقِ مراتب کے اعتبار سے بڑھتی رہتی ہے۔ عالم دین' امیر' کسی محکمے کے مدیر (ڈائریکٹر) یا وزیر یا اس جیسے لوگوں کی غیبت عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ بڑا جرم ہے۔ کیونکہ عام آدمی کی غیبت ایک فردِ واحد کے لیے نقصان دہ ہے جبکہ صاحبِ امر کی غیبت اس فرد کے ساتھ برائی کے ساتھ ساتھ ان لوگوں سے بھی بُرائی کے برابر ہے جن کے اُمور کا وہ نگران ہے۔''

چونکہ مذکورہ بالا افراد اجتماعی مفاد کے لیے کام کرتے ہیں لہٰذا ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا مسلمانوں کی اجتماعیت کو مجروح کرنے کے برابر ہے۔ اسی وجہ سے علمائے کرام' مصلحین امت' مبلغین و داعیانِ دین اور تحاریکِ اسلامی کے کارکنوں اور بالخصوص ذمہ داران کی غیبت عام مسلمانوں کی غیبت سے بڑا جرم ہے۔

ماتحت رفقاء کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے ذمہ داران اور اُمراء بہر حال انہی جیسے انسان ہیں اور ان سے اسی طرح غلطی کا صدور ممکن ہے جیسے ماتحت رفقاء سے ہوتا ہے' اور جیسے ماتحت رفقاء کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی غلطی پر عفو و درگزر اور چشم پوشی کا مظاہرہ کیا جائے ایسا ہی طرزِ عمل اپنے امراء کی کمی کوتاہیوں کے بارے میں اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ البتہ چونکہ جماعتی نظم کی بہتری کے لیے ناگزیر ہے کہ غلطیوں کی اصلاح کی جاتی رہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس امیر کی غلطی یا خامی سامنے آئے' نصح و خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ نرمی اور دلسوزی کے ساتھ اور آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے تنہائی میں اس سے بات کر کے اصلاحِ احوال کی دعوت دی جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَرَادَ اَنْ يَنْصَحَ لِسُلْطَانٍ بِاَمْرٍ فَلَا يُبْدِ لَهُ عَلَانِيَةً، وَلٰكِنْ لِيَاْخُذْ بِيَدِهٖ فَيَخْلُوَ بِهٖ، فَاِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَاكَ، وَاِلَّا كَانَ قَدْ اَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ لَهُ))

(سنن ابی داؤد)

''جو کوئی سلطان یا امیر کو نصیحت کرنا چاہے تو اُسے چاہیے کہ اسے سب کے سامنے نصیحت نہ کرے' بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تنہائی میں لے جائے۔ پس اگر وہ اس کی نصیحت قبول کر لے تو یہ مطلوب ہے' اور اگر قبول نہ کرے تو اس ناصح نے امیر کے حوالے سے اپنا فرض ادا کر دیا۔''

نصیحت کے بعد اصلاح کا مناسب موقع دینا چاہیے' اور اگر احساس ہو کہ اب بھی اصلاح نہیں کر رہا اور مزید پیش رفت کی ضرورت محسوس ہو تو خود سے بالا تر نظم تک بات پہنچا دی جائے۔ اس کے بعد وہ رفیق خود کو بری الذمہ سمجھے اور جان لے کہ اسے کسی پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا' اور غلطی کرنے والے اپنے اس امیر کے لیے دعا کرتا رہے کہ اللہ اسے اصلاح کی توفیق دے' اور اپنے لیے یہ دعا کرتا رہے کہ میرے دل کو اللہ کدورت و نفرت سے پاک فرما دے اور عملاً خود کو امیر کی اطاعت فی المعروف میں لگائے رکھے' کیونکہ امیر سے گناہ کا صدور اس کی اطاعت کے لزوم کو ختم نہیں کرتا' جیسا کہ صحیح احادیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

نظم بالا یا اُمراء کی اپنے مامورین کے متعلق غیبت: نظم بالا یا امراء کی اپنے مامورین کے متعلق غیبت عموماً دینی یا اخلاقی کمزوری' سمع و طاعت اور ایثار و قربانی کے فقدان یا نظم و نسق کی پابندی نہ کرنے کے بارے میں ہوتی ہے۔

کسی بھی اجتماعیت میں ذمہ دار یا امیر کی حیثیت نگران اور مسئول کی سی ہوتی ہے۔ وہ ساتھیوں کی تربیت و اصلاح کا ذمہ دار اور اس ضمن میں جوابدہ ہوتا ہے۔ پس جب امیر غلطی دیکھے تو اصلاح کی کوشش ضرور کرے' لیکن اس کی خامی کو اِدھر اُدھر ذکر کرنے سے پرہیز کرے' کیونکہ یہ ذکرِ عیب اس کے لیے غیبت ہے۔ البتہ ساتھیوں کی غلطی کا ذکر کسی ایسے شخص کے سامنے کیا جا سکتا ہے جو اصلاحِ احوال میں معاونت کر سکتا ہو۔ لیکن اس کے بغیر ذکر یقیناً غیبت میں شمار ہوگا۔ بہتر ہے کہ اصلاحِ احوال کے ضمن میں مشاورت و معاونت نظم بالا سے حاصل کی جائے۔ البتہ ضرورت لاحق ہو تو نظم زیریں کے کسی فرد سے بھی بات کی جا سکتی ہے' لیکن اس میں ضروری ہے کہ مخاطب کو تنبیہہ کر دی جائے کہ میں اس رفیق کی اصلاح کی غرض سے آپ سے مشاورت کر رہا ہوں اور آپ کو اس کے متعلق کسی سوئے ظن کو دماغ میں جگہ نہیں دینی چاہیے اور اس کی اس غلطی کو اپنی ذات تک محدود رکھنا ہوگا اور کسی بھی جگہ اس کا ذکر آپ کے لیے غیبت کہلائے گا۔

اگر امیر اپنے رفقاء کے ساتھ غیبت کا طرزِ عمل اختیار کیے رکھے تو یہ اسے رفقاء میں

ہر دلعزیز نہیں بننے دیتا۔ رفقاء کے دلوں میں امیر کی عزت و وقعت کم ہو جاتی ہے اور دوسرے رفقاء کے اندر غیبت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' میں نے نبی اکرم ﷺ سے ایک بات سن رکھی ہے جس نے مجھے بڑا فائدہ دیا' آپ ﷺ فرماتے تھے:

((اَعْرِضُوْا عَنِ النَّاسِ، أَلَمْ تَرَ اَنَّكَ اِنِ ابْتَغَيْتَ الرِّيبَةَ فِى النَّاسِ اَفْسَدْتَهُمْ))(۲۴)

''لوگوں سے اعراض کرو' کیا تم سمجھتے نہیں کہ اگر تم لوگوں پر شک (یا بدگمانی) کرو گے تو ان کو خراب کر دو گے۔''

یہی بات آپ ﷺ نے ایک دوسرے فرمان میں یوں ارشاد فرمائی:

((اِنَّ الْاَمِيْرَ اِذَا ابْتَغَى الرِّيبَةَ فِى النَّاسِ اَفْسَدَهُمْ))(۲۵)

''بے شک امیر جب لوگوں میں شک شروع کر دے تو انہیں خراب کر دے گا۔''

ابوالطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی (۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء) لکھتے ہیں: ''الریبہ'' کا مطلب ہے الزام تراشی یا برا گمان کرنا اور اس کو ظاہر کرنا۔ امام ابن الاثیر 'نہایہ' میں فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے تو لوگ اس کام میں ملوث ہو ہی جاتے ہیں جس کے بارے میں ان پر برا گمان کیا جاتا ہے' پس اس طرح سے ان لوگوں کو خراب کیا جاتا ہے۔'' (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد)

امام ابن اثیرؒ کا یہ فرمانا کہ جس برائی کے بارے میں انسان پر شک یا تجسس کیا جائے اس میں ملوث ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے عزتِ نفس اور لوگوں سے حیا و جھجک کا جذبہ رکھا ہے۔ انسان اپنے نفس کی عزت بچانے کے لیے برائی سے بچنا چاہتا ہے اور اگر کبھی اس سے برائی سرزد ہو ہی جائے تو پھر وہ لوگوں سے اس کو بہر حال چھپانا چاہتا ہے تاکہ اس کی بدنامی نہ ہو۔ اسی طرح انسان لوگوں سے حیا کی وجہ سے بھی بہت سارے گناہوں سے بچتا ہے۔ اب اگر کسی انسان کی غلطی کو جان بوجھ کر لوگوں کے سامنے لایا جاتا رہے یا اس کو مشکوک سمجھا جا رہا ہو تو یہ طرزِ عمل اس کی عزت و حمیتِ نفس کو کمزور اور جھجک و حیا کو ختم کرنے کا باعث بنتا ہے۔ پھر انسان گناہ میں اور جری ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات شک کے نتیجے میں انسان میں ایک ردّعمل پیدا ہوتا ہے۔ اسی جھنجھلاہٹ میں وہ اس برائی کا ارتکاب کرنے لگ جاتا ہے۔

زین الدین محمد عبد الرؤوف المُنَاوِیؒ (۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۲ء) فرماتے ہیں: ''حدیث کا مقصود امام کو یہ ترغیب دلانا ہے کہ وہ حتی الامکان تغافل کا برتاؤ اختیار کرے، یعنی لوگوں کی چھپی غلطیوں کے پیچھے نہ پڑے۔'' (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر)

ملا علی بن سلطان محمد' القاریؒ (۱۰۱۴ھ/۱۶۰۶ء) لکھتے ہیں: ''امام جب لوگوں کے عیوب کی تلاش کرے، ان کے گناہوں پر تجسّس کرے اور ان پر الزام تراشی کرے تو دنیا اور آخرت کے حوالے سے ان کو خراب کر دیتا ہے' کیونکہ یہ محال ہے کہ انسان غلطی سے بالکل پاک ہو جائے' بلکہ انسان سے غلطیوں کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ اب اگر ہر قولی یا فعلی غلطی پر گرفت شروع کر دی جائے تو اس سے انسان مشقت میں پڑ جاتا ہے۔ پس جہاں تک ہو سکے پردہ پوشی سے کام لینا چاہیے' جیسا کہ بہت ساری احادیث سے معلوم ہوتا ہے''۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح)

(جاری ہے)

حواشی

(۱) منتخب نصاب جلد نمبر ۱' درس سورۃ الحجرات

(۲) صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة و الادب، باب تَحْرِيمِ الْغِيبَةِ

(۳) موطا مالك ،کتاب الکلام، باب ما جاء فی الغیبة

(٤) النهاية فی غريب الحديث والاثر باب الغين مع الياء) مجد الدين ابو السعادات مبارك بن محمد ابن الشيبانی، المعروف بابن الاثير الجزری، المحدث صاحب جامع الاصول فی احاديث الرسول۔ دلچسپی کی بات یہ ہے کہ انہی کے دو بھائی بھی ابن الاثیر ہی کے نام سے مشہور ہیں، یعنی: عز الدين ابو الحسن علی بن محمد الشيبانی المؤرخ ، المعروف بابن الاثير الجزری، صاحب الكامل فی التاريخ و اسد الغابة فی معرفة الصحابة، اور ضياء الدين ابو الفتح نصر اللّٰه بن محمد بن الشيبانی الكاتب ، المعروف بابن الاثير الجزری، صاحب المثل السائر فی ادب الكاتب والشاعر (وفيات الاعيان وانباء ابناء الزمان لابن خلكان البرمكی (المتوفی:٦٨١هـ)

(٥) فتح الباری کتاب الادب قوله باب الغيبة وقول اللّٰه تعالى ولا يغتب بعضكم بعضا الآية

(٦) ايضا

(۷) جامع لاحكام القرآن لابی عبد اللّٰه محمد بن احمد الانصاری القرطبی تفسير سورة الحجرات

(۸) انوار البروق فی انواع الفروق باب الْفَرْقُ الثَّالِثُ وَالْخَمْسُونَ وَالْمِائَتَانِ بَيْنَ قَاعِدَةِ الْغِيبَةِ الْمُحَرَّمَةِ وَقَاعِدَةِ الْغِيبَةِ الَّتِی لَا تَحْرُمُ

(۹) ذم الغيبة والنميمة لابن ابی الدنيا، باب تفسير الغيبة

(۱۰) ذم الغيبة والنميمة لابن ابی الدنيا، باب تفسير الغيبة

(۱۱) دیکھیے حاشیہ نمبر ۸

(۱۲) احياء علوم الدين، كتاب آفات اللسان بيان معنى الغيبة وحدودها

(۱۳) الاذکار' باب تحريم الغيبة والتميمة

(١٤) كشاف اصطلاحات الفنون، باب حرف الغين

(١٥) الكبائر، باب ما جاء فی الغيبة

(١٦) جامع لاحكام القرآن لابی عبد اللّٰه محمد بن احمد الانصاری القرطبی' تفسير سورة الحجرات

(١٧) مسند احمد، مسند باقی الانصار حديث سيده عائشه وقال الارنؤوط : إسناده صحيح على شرط مسلم

(١٨) شعب الإيمان الرابع والاربعون من شعب الإيمان وهو باب فی تحريم اعراض الناس، فصل فيما ورد من الاخبار فی التشديد على من اقترض من عرض اخيه المسلم شيئا بسب او غيره ، مكتبة الرشد الرياض و قال المحقق رجاله ثقات

(١٩) مسند ابی يعلى بحواله السلسلة الصحيحة٦/٣٥٧، رقم الحديث٢٦٦٧

(٢٠) الجامع فی الحديث لابن وهب ص٦٥١، رقم ٥٥٥۔ قال المحقق ضعيف لارساله لكن ورد معناه فی الصحيح

(٢١) الجامع فی الحديث اسناده ضعيف لانه من بلاغات عبد الرحمن بن حارث

(٢٢) مساوء ی الاخلاق للخرائطی والاحاديث المختارة للضياء المقدسی وذكر الالبانی فی السلسلة الصحيحة وقال: وهذا إسناد صحيح، رجاله كلهم ثقات

(٢٣) شرح رياض الصالحين كتاب الامور المنهی عنها باب تحريم الغيبة والامر بحفظ اللسان

(٢٤) صحيح الجامع، رقم: ١٠٤٩، بحواله المعجم الكبير لطبرانی (٣٦٠هـ)

(٢٥) سنن ابی داود' كتاب الادب' باب النَّهی عَنِ التَّجَسُّس

روداد سالانہ اجتماع ۲۰۱۶ء

محمد ایاز ☆

بقول امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب حفظہ اللہ سالانہ اجتماع تنظیموں اور جماعتوں کی زندگی میں ایک خصوصی مقام وسا ہمیت رکھتا ہے۔ ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے رفقاء واحباب کا مل بیٹھنا اور اپنی زندگی کے لیے جس نصب العین اور مقصد کو انہوں نے اختیار کیا ہے‘ اس کی یاد دہانی کے لیے اپنے اس فکری سبق کو تازہ کرنا‘ ساتھیوں کے لیے بادِ صبا کے خوشگوار جھونکے سے کم نہیں۔ ربِ رحیم کی رضا اور آخرت کی فلاح کے حصول کے طلب گار لوگوں کا یہ اجتماع اپنے اندر ایک خاص دینی وروحانی تاثیر رکھتا ہے جسے ضبطِ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ اس تحریر میں صرف اُن باتوں کو سرسری طور پر ذکر کرنا مقصود ہے جو راقم کے نزدیک شرکاءِ اجتماع پر زیادہ اثر انداز ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ جہاں تک اجتماع سے حاصل ہونے والی باطنی کیفیات کا تعلق ہے تو چونکہ یہ اصلاً احساسات وکیفیات سے متعلق ہیں‘ لہٰذا ان کا جائزہ ہر شخص خود ہی لے سکتا ہے۔

اس سال تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع مرکزی اجتماع گاہ بہاولپور میں ۲۵ تا ۲۷ نومبر کو منعقد کیا گیا اور امیر محترم کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے پاکستان کے طول وعرض سے بڑی تعداد میں لوگوں نے اس میں شرکت کی۔ ہزاروں کی تعداد میں موجود افراد کی رہائش وطعام اور غسل ووضو کا انتظام ہو‘ یا حالات کے پیشِ نظر سکیورٹی کا‘ کسی طرح کی کوئی بدنظمی دیکھنے میں نہیں آئی‘ الحمدللہ!

گزشتہ سالوں میں سالانہ اجتماع کا ایک مرکزی موضوع متعین کیا جاتا تھا جس سے اجتماع کی تمام تقاریر معنوی طور پر مربوط ہوتی تھیں۔ امسال اجتماع کے لیے کسی خاص موضوع کا تعین نہیں کیا گیا تھا‘ لیکن تمام موضوعات کو دو بڑے موضوعات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے‘ ایک انفرادی زندگی اور دوسرا اجتماعی زندگی —— یا بالفاظ دیگر تزکیۂ نفس اور تحریکی زندگی

☆ خریج قرآن اکیڈمی یٰسین آباد ومعاون شعبہ تدریس

—— گویا مجموعی دینی فکر کے اعادے کی کوشش کی گئی تھی۔ پہلے دن کے تمام موضوعات اوّل الذکر موضوع سے متعلق تھے‘ جبکہ دوسرے دن کے موضوعات کا تعلق آخر الذکر سے تھا۔ اجتماع کے تیسرے اور آخری دن کے موضوعات اپنے مضامین کے اعتبار سے خاص نوعیت کے حامل تھے‘ جو مذکورہ موضوعات سے منفرد ہونے کے علی الرغم متعلق بھی تھے۔

پہلا دن

جمعہ ۲۵ نومبر کو نمازِ عصر کے بعد اجتماع کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ جناب خورشید انجم نے‘ جو سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دے رہے تھے‘ امیر تنظیم اسلامی کو افتتاحی کلمات ادا کرنے کی دعوت دی۔ امیر محترم نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔ اجتماع میں حاضر نہ ہونے والوں کے لیے حسنِ ظن رکھنے کی تلقین فرمائی اور اجتماع کے مقصد کو مختصر الفاظ میں بیان فرمایا۔ ابتدائی کلمات کے بعد ناظم اجتماع جناب ڈاکٹر طاہر خاکوانی نے اجتماع کے حوالے سے انتظامی ہدایات بیان فرمائیں۔ ڈاکٹر طاہر خاکوانی صاحب کے بعد ناظم اعلیٰ تحریکِ خلافت‘ قرآن اکیڈمی جھنگ وحکمت بالغہ کے مدیر جناب انجینئر مختار حسین فاروقی نے ’’تعلق مع القرآن‘‘ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں قرآن کے ساتھ ہمارے تعلق کو بیان فرماتے ہوئے دعوت کے ضمن میں عملی پہلوؤں کو اجاگر کیا اور بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی تصنیف ’’مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق‘‘ کی تلخیص آسان اور عام فہم انداز میں پیش فرمائی۔ اس خطاب کے بعد نمازِ مغرب کا وقفہ ہوا۔

ادائیگیٔ نماز کے بعد جناب رحمت اللہ بُٹر نے ’’غم دنیا سے نجات‘‘ کے موضوع پر درسِ حدیث دیا۔ درس حدیث کے بعد جناب ڈاکٹر محمد خالد شفیع نے ’’فکرِ آخرت‘‘ کے موضوع پر ایمان افروز خطاب فرمایا۔ بعد ازاں ’’توبہ کی عظمت اور تاثیر‘‘ کے موضوع پر جناب مؤمن محمود کو مدعو کیا گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ انسانی فطرت کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرے۔ انسان کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ فطرت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو محبوب بنانا چاہتی ہے‘ اگر انسان کو یہ احساس ہو جائے تو یہ توبہ کی بنیاد ہے۔ جب تک انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے محبت نہ کرے‘ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اپنا محبوب نہ بنا لے تب تک انسانی فطرت کو تسکین حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جب تک اللہ کی محبت سے اس خلا کو پر نہ کیا جائے یہ خلا باقی رہتا ہے۔

مؤمن محمود صاحب کے نہایت عمدہ اور ایمان افروز خطاب کے بعد حافظ رشید ارشد

صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے ''تزکیۂ نفس کی اہمیت اور ضرورت'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ انہوں نے فرمایا کہ اپنے آپ کو مستقل پاک کرنے کی کوشش میں لگے رہنے کا نام تزکیہ ہے۔ نفس اپنے سیاق وسباق میں اجتماعی ہے اور نفس کا کوئی تصور خالص پرائیویٹ یا انفرادی نہیں ہوسکتا۔ اگر آپ نفس کو اس کے سیاق وسباق سے کاٹ دیں اور اس کو ایک ذاتی (individual) یا private چیز بنادیں تو اس کی وجہ سے بعض اوقات انسان کے اندر کچھ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں' جیسا کہ اپنے آپ کو صحیح سمجھنا' اپنے زہد کا احساس' اپنی بڑائی کا احساس' اپنی پاکیزگی کا احساس کہ میں تو اپنے آپ کو مانجھ رہا ہوں' میں تو اپنے آپ کو سجانے سنوارنے میں لگا ہوا ہوں' اور اس طرح انسان بعض اوقات دین کے انتہائی اہم احکامات کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اگر ہم تزکیہ کا ایک محدود تصور سامنے رکھیں تو مذکورہ خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں اور اس محدود تصور کا نتیجہ غلط نکل سکتا ہے۔ انہوں نے مثال دیتے ہوئے ایک بزرگ کے حوالے سے فرمایا کہ اگر ایک چراغ کو کسی کمرے کے بیچ میں رکھ دیا جائے تو ممکن ہے کہ کمرہ مکمل طور پر روشن نہ ہو لیکن روشنی اعتدال کے ساتھ پورے کمرے میں پھیل جائے گی اور اگر چراغ کو کمرے کے کسی کونے میں رکھ دیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ گوشہ غیر معمولی طور پر چمکدار ہو جائے لیکن کمرے میں روشنی اعتدال کے ساتھ نہیں پھیلے گی۔ انہوں نے اس مثال کو نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارک ((**الإِسْلامُ عَلانِيَةٌ، وَالإِيمَانُ فِي الْقَلْبِ' ثُمَّ يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى صَدْرِهِ : التَّقْوَى هَاهُنَا' التَّقْوَى هَاهُنَا**)) کے ذیل میں بیان فرمایا۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ اگر تقویٰ یا تزکیہ داڑھی' پگڑی' پائنچے اور مراقبوں تک محدود ہو جائے تو اس سے یہ تو ہوسکتا ہے کہ ظاہری شخصیت چمکنے لگے' لیکن جو جامع شخصیت قرآن وسنت پیدا کرنا چاہتے ہیں' جس میں تقویٰ سرایت کیے ہوئے ہے' وہ شاید پیدا نہ ہوسکے۔

حافظ رشید ارشد صاحب کے بیان کے بعد نماز عشاء ادا کی گئی۔ نماز کے بعد شوکت اللہ شاکر صاحب نے ''جنت کا انکاری کون؟'' کے موضوع پر درس حدیث دیا۔ درس کے بعد تمام شرکاء اپنی رہائش گاہوں میں چلے گئے' کھانا مہیا کیا گیا۔ بعض شرکاء نے دریائے ستلج کے کنارے لگے ہوئے اسٹالوں کا رخ کیا جبکہ بعض نے سونے کو ترجیح دی۔

دوسرا دن

دوسرے دن کا آغاز نماز فجر سے ہوا۔ نماز کے متصل بعد جناب خورشید انجم نے ''اُمتِ

مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل'' کے موضوع پر درسِ قرآن دیا۔ درس کے بعد ناشتے کا وقفہ ہوا۔ ناشتے سے فارغ ہوکر تمام شرکاء اجتماع گاہ میں جمع ہوئے۔ ''دین کا ہمہ گیر تصور'' کے موضوع پر خطاب کے لیے حافظ عمیر انور صاحب کو بلایا گیا۔ انہوں نے موضوع کو عالمانہ انداز میں شرکاء کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں توحیدِ عملی پر سیر حاصل گفتگو فرمائی اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس کے تقاضوں کا جائزہ لیا۔ ان کے خطاب کے بعد ایک اور انتہائی اہم موضوع ''دینی فرائض کا جامع تصور'' کے لیے جناب رحمت اللہ بٹر کو دعوتِ خطاب دی گئی۔ اپنے خطاب میں انہوں نے سورۃ البقرۃ کے پہلے دو رکوعوں میں مذکور تین کرداروں کا ذکر فرمایا اور سورۃ القریش کی روشنی میں ''رب'' کی تشریح فرمائی۔ اسی کے ذیل میں ابرہہ اور عبدالمطلب کا مکالمہ ذکر فرمایا۔ سورۃ الحج کے آخری رکوع کے ضمن میں ماننے والوں سے تقاضوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ ارکانِ اسلام میں غفلت سے بچانے کا پورا انتظام ہے۔

بعد ازاں جناب خالد محمود عباسی کو ''اجتماعیت کی اہمیت اور اس کے تقاضے'' کے موضوع پر اظہارِ خیال فرمانے کی دعوت دی گئی۔ اپنی گفتگو کے آغاز میں انہوں نے فرمایا کہ انسان اجتماعیت پسند ہے' اس لیے وہ تنہا نہیں رہ سکتا۔ ان کا کہنا تھا کہ جب کوئی اللہ جل شانہ کے احکامات کو بجالانے کی کوشش کرتا ہے تو چند رکاوٹیں اس کو روک لیتی ہیں۔ اب آدمی کے پاس دو راستے ہیں۔ یا تو کونے کھدرے میں بیٹھا رہ جائے یا اس رکاوٹ کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ انہوں نے دوسرے راستے کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور کونوں کھدروں میں بیٹھنے والوں پر شدید تنقید کی۔ ان کا کہنا تھا کہ نظام سے ٹکر کے لیے نظام کی ضرورت ہے اور نظام اجتماعیت سے بنتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اسلام نے رہبانیت کی مخالفت کی ہے اور نکاح کے حکم سے ایک اجتماعیت تشکیل دی ہے' اور قرآن نے شعوب وقبائل کو تعارف کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

جناب خالد محمود عباسی کے بیان کے بعد باہمی تعارف کا وقفہ ہوا جس میں پاکستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے شرکاء اجتماع ایک دوسرے سے متعارف ہوئے۔ اِس کے بعد ڈاکٹر حافظ محمد مقصود صاحب خطاب کے لیے تشریف لائے' ان کا موضوع تھا: ''پیغامِ اقبال: ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کی روشنی میں''۔ انہوں نے سب سے پہلے نظم کا خلاصہ پیش کیا اور ساتھ ساتھ علامہ اقبال کی بیان کردہ فکر مغرب کو سمجھاتے رہے۔ اقبال کے اردو کلام کے علاوہ فارسی کلام کو بھی رونق محفل بنایا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں اقبال کا اللہ تعالیٰ سے تعلق' اقبال

کا محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے تعلق اور اقبال کا قرآن مجید سے تعلق کو بھی بیان فرمایا۔ انہوں نے علامہ اقبال کی دو اہم خصوصیات کا ذکر کیا کہ ان کے ہاں نصب العین سے عشق اور اس کے لیے حرارت پائی جاتی ہے۔ انہوں نے اشعار کی تشریح کے لیے عمدہ اسلوب اپنایا' مگر وقت کی کمی کے باعث موضوع تشنہ رہ گیا' جس کا زندگی بھر احساس رہے گا۔

ڈاکٹر حافظ محمد مقصود صاحب کے خطاب کے بعد تنظیم کے انتہائی اہم اور بنیادی موضوع کے لیے جناب انجینئر نعمان اختر تشریف لائے۔ ان کا موضوع ''منہج انقلاب نبوی ﷺ'' تھا۔ انہوں نے موضوع کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا: انقلاب کی حقیقت' انقلاب کا ہدف' نبی اکرم ﷺ کی سیرت کی روشنی میں انقلابی مراحل اور آج کے دور میں منہجِ انقلابِ نبویؐ کا انطباق۔ منہجِ انقلابِ نبویؐ پر بات کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ انفرادی زندگی سے متعلق گوشوں میں بڑی سے بڑی تبدیلی سے بھی انقلاب نہیں آ سکتا' انقلاب ہمیشہ اجتماعی گوشوں میں بڑی تبدیلی سے وجود میں آتا ہے۔

نعمان اختر صاحب کے خطاب کے بعد نماز ظہر ادا کی گئی اور نماز کے بعد جناب محمد عرفان بٹ نے ''نگران کی مسئولیت'' کے حوالے سے درس دیا۔ حسب معمول کھانے اور آرام کا وقفہ ہوا۔ عصر کی نماز ادا کی گئی۔ اس کے بعد جناب عادل یامین نے ''انفاق اور دعائے ملائکہ'' پر درسِ حدیث دیا۔ ''حزب اللہ کے اوصاف'' کے عنوان سے خطاب کے لیے ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کو بلایا گیا۔ انہوں نے سورۃ الشوریٰ کی آیات کی روشنی میں حزب اللہ کے اوصاف کو بیان فرمایا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ جب تک دنیا کے اسباب پر بھروسے کو نہ چھوڑیں اس وقت تک توکّل کے اعلیٰ درجے پر فائز نہیں ہوا جا سکتا۔ انہوں نے توکّل علی اللہ کو مؤمن کی بہترین صفت قرار دیا۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے ایمان افروز خطاب کے بعد بیعت مسنونہ کا انعقاد کیا گیا' جس میں ہزاروں افراد نے تجدیدِ عہد اور سینکڑوں افراد نے کاروانِ تنظیم میں امیر تنظیم محترم حافظ عاکف سعید صاحب حفظہ اللہ کے مدد و معاون بننے کا عہد کیا۔ مغرب کا وقت داخل ہونے پر نماز مغرب ادا کی گئی۔

نماز کے بعد جناب محمد نعمان اصغر نے ''نیکی میں جلدی کرو'' کے عنوان سے درسِ حدیث دیا۔ اس کے بعد ''جدیدیت اور ہم'' پر خطاب کے لیے مدیر قرآن اکیڈمی کراچی استاد محترم اویس پاشا قرنی کو مدعو کیا گیا۔ انہوں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے موضوع کا تعارف کروایا

اور انتہائی مدلّل و مربوط انداز میں دقیق موضوع کو سہل کر کے شرکاء کے سامنے پیش کیا' جس کا حاصل درج ذیل ہے: مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب دو الگ الگ تہذیبیں ہیں۔ دونوں کے مصادر علمی جدا ہونے کے ساتھ ساتھ مآخذ علمی بھی جدا ہیں۔ ایک تہذیب کا انحصار اگر نری عقل پر ہے تو دوسرے کا مکمل انحصار نقل پر۔ ایک کے مصادرِ علمی قرآن' حدیث' اجماع اور قیاس ہیں تو دوسری کے حواسِ خمسہ۔ ایک تہذیب کا نتیجہ خدا سے قربت اور محبت نکلتا ہے تو دوسری کا خدا بے زاری اور الحاد۔ انہوں نے اپنے خطاب کے اندر تجدد اور تجدید کے فرق کو بھی واضح فرمایا اور ٹیکنالوجی کے مضر اثرات پر اصولی تنقید بھی فرمائی۔ آخر میں ماڈرن ازم یعنی جدیدیت پر مختصر گفتگو کرتے ہوئے موجودہ مغربی استیلاء سے باخبر رہنے کی بھی تلقین فرمائی اور نجات کا راستہ صحبت صالحین کو قرار دیا۔

جناب اویس پاشا قرنی کے خطاب کے بعد بانی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ویڈیو خطاب دکھایا گیا' جس میں انہوں نے انتہائی تفصیلی اور مربوط انداز میں اسلام کے نظامِ عدل اجتماعی کے خدوخال بیان فرمائے۔ سب شرکاء نے ڈاکٹر صاحب کے بیان کو انتہائی دل جمعی کے ساتھ سماعت فرمایا۔ بانی محترم کے ویڈیو بیان کے بعد نماز عشاء ادا کی گئی اور نماز کے بعد ''اللہ کے لیے محبت پر بشارت'' کے عنوان سے جناب نوید احمد عباسی نے درس حدیث دیا۔

تیسرا دن

اگلے دن نماز فجر کی ادائیگی کے بعد ''اعلیٰ ترین سودا'' کے عنوان سے جناب عبدالسلام عمر نے درسِ قرآن دیا۔ درس کے بعد ناشتے کے لیے وقفہ کیا گیا اور وقفے کے بعد اپنی نوعیت کے ایک منفرد خطاب کے لیے تمام حضرات ایک بار پھر اجتماع گاہ میں جمع ہوئے۔ جناب شجاع الدین شیخ کو ''ہم اور ہمارا گھر'' کے موضوع پر گفتگو کے لیے بلایا گیا۔ انہوں نے تمام شرکاء کو احساس دلاتے ہوئے تعمیر سیرت و کردار پر زور دیا۔ سیرت میں بہتری لانے کے لیے اسوۂ حسنہ سے مثالیں دیں اور کوتاہیوں کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ اپنے اہل و عیال کی تربیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ کہیں ہم اپنی برائیاں چھپانے کے لیے اُن کو دین سے روک نہیں رہے ہیں' تاکہ کل کو طعنے نہ سننے پڑیں؟ اگر ایسا ہے تو افسوس کا مقام ہے۔ انہوں نے گھریلو اُسرہ جات قائم کرنے پر زور دیا۔

جناب شجاع الدین شیخ کے جھنجھوڑنے والے خطاب کے بعد حالاتِ حاضرہ پر گفتگو کے

لیے مرزا ایوب بیگ صاحب کو دعوت خطاب دی گئی‘ جن کا موضوع تھا: ’’سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا!‘‘ انہوں نے ملکی حالات سمیت بین الاقوامی حالات کا بھی تجزیہ کیا‘ خصوصاً مسلم دنیا اور بالخصوص شام کو اپنا موضوعِ بحث بنایا۔ ان کے تجزیہ کے بعد ناظم اعلیٰ جناب اظہر بختیار خلجی نے ’’ہمارے قدم آگے بڑھ رہے ہیں‘‘ کا عنوان اپناتے ہوئے تنظیم اسلامی کی سالانہ رپورٹ پیش فرمائی۔ رپورٹ پیش کرنے کے بعد وقفہ برائے چائے و باہمی تعارف ہوا۔

امیر محترم کا اختتامی خطاب

امیر محترم حافظ عاکف سعید ﷾ نے اجتماع کے اختتامی خطاب میں سب سے پہلے اللہ ربّ العزت کا شکر ادا کیا‘ پھر شرکاء اجتماع سے دین کے ہمہ گیر اور جامع تصور پر محققانہ گفتگو فرمائی۔ امیر محترم نے فرمایا: الحمدللہ‘ دین کے ہمہ گیر تصور یا تنظیمی فکر کے تمام گوشے بطریقِ احسن بیان ہو چکے ہیں۔ تمام مقررین اپنے موضوعات کا حق ادا کرتے ہوئے انتہائی احسن انداز میں آپ کے سامنے گفتگو کر چکے ہیں۔ جناب شجاع الدین شیخ اور جناب اویس پاشا قرنی کے خطابات کے موضوعات بہت اہم ہیں‘ خاص طور پر ’’جدیدیت اور ہم‘‘ فکری اعتبار سے انتہائی اہم موضوع ہے۔ دنیا میں پھیلے ہوئے نظریات کے صحیح اور غلط کو معلوم کرنے کے لیے یہ موضوع انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔

انہوں نے فرمایا: آج میں اپنا موضوع جو سمجھ رہا ہوں‘ وہ یہ ہے کہ آج ہم انقلاب کے کن مراحل سے گزر رہے ہیں اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ ڈاکٹر صاحبؒ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے امیر محترم کا کہنا تھا کہ انہوں نے قرآن کو ایک زندہ کتاب اور حقیقی معنوں میں کتاب ہدایت کے طور پر متعارف کروایا۔ قرآن کے حوالے سے انہوں نے فرمایا کہ آج کل مسلمان قرآن کو کتابِ ہدایت نہیں سمجھتے‘ صرف کتابِ مقدس کا درجہ دیتے ہیں۔ ہدایت کے لیے قرآن کا کھولنا اور پڑھنا نہ ہونے کے برابر ہے۔ انہوں نے علامہ اقبال کی قرآنی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اقبال کے ہاں عظمت قرآن کا مضمون بہت نمایاں ہے۔ مسلمانوں کے دلوں پر قرآن کا نقش بٹھانے کا تمہیدی کام اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اقبال سے لیا ہے۔ پھر یہی مبارک کام ایک دوسری جہت اور پوری قوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بانی تنظیم سے ایک دوسرے انداز سے لیا ہے۔ یہ اسی تحریک رجوع الی القرآن کا اگلا قدم ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے اردو و فارسی کلام میں اس مضمون کو بیان کیا ہے‘ لیکن بانی محترم نے قرآن کی تعلیمات کو

دروسِ قرآنی کی صورت میں نہایت دل نشین انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کے اردو بولنے والے افراد تک قرآن کی تعلیمات کو پہنچانے کا کام غیر معمولی انداز میں بانی تنظیم سے لیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب نے لوگوں کو براہِ راست قرآن کے ساتھ جوڑا اور آج بھی لاکھوں افراد روزانہ ان کے دورۂ ترجمہ قرآن سے مستفید ہوتے ہیں۔ دوسرا خصوصی فضل ڈاکٹر صاحب پر یہ ہوا کہ انہوں نے عصرِ حاضر میں غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے منہجِ انقلابِ نبویؐ سیرتِ مطہرہ کی روشنی میں پیش فرمایا جو کہ آج کے موجودہ مناہج میں مناسب ترین معلوم ہوتا ہے۔

امیر محترم نے فرمایا کہ اقبال نے بھی اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا خواب دیکھا تھا‘ اور امت کو جھنجوڑا بھی تھا اور خوشخبری بھی دی تھی کہ ؎

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے!

اور یہ کہ ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا‘ عدالت کا‘ شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا!

ایسا نہیں تھا کہ اقبال نے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا صرف خواب دیکھا تھا‘ بلکہ انہوں نے خوشخبری بھی سنائی ہے ؎

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے‘ لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے!

امیر محترم نے فرمایا کہ اقبال صرف اپنی تمنا کا اظہار نہیں کر رہے تھے بلکہ پورے یقین

کے ساتھ کہہ رہے تھے کہ یہ سب کچھ ہوکر رہے گا۔ علامہ اقبال نے پاکستان کی بھی بشارت دی تھی‘ لہٰذا انہیں ’’مصوّرِ پاکستان‘‘ بھی کہا جاتا ہے اور بانی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمدؒ صاحب تو ان کو مصور کے بجائے ’’مبشّرِ پاکستان‘‘ قرار دیتے تھے۔

امیر محترم نے دنیا میں اسلامی ریاست کے حوالے سے فرمایا کہ بدقسمتی سے پورے کرۂ ارض پر کہیں بھی اسلامی ریاست قائم نہیں ہے۔ کچھ عرصے کے لیے سرزمین افغانستان پر قائم ہوئی تھی‘ لیکن اس ’’جرم‘‘ کی پاداش میں کہ انہوں نے شریعت نافذ کی ہے‘ پوری دنیا نے ان کا بائیکاٹ کر دیا۔ امریکی حکومت اور اسرائیل نے منصوبہ بنایا اور پوری دنیا کے غاصبوں کو جمع کر کے مظلوم اور کمزور افغانستان پر چڑھائی کر دی۔ امیر محترم نے فرمایا کہ اسلامی نظام کے قیام میں سب سے بڑی رکاوٹ خود مسلم ممالک ہیں۔

موضوع کی طرف آتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ انقلابی عمل کے چھ مراحل ہیں: دعوت‘ تنظیم‘ تزکیہ و تربیت‘ صبرِ محض‘ اقدام اور مسلّح تصادم۔ یہ سب مراحل سیرت سے ماخوذ ہیں لیکن موجودہ حالات کے پیش نظر چھٹے مرحلے یعنی مسلح تصادم میں اجتہاد کرنا پڑا اور مسلّح تصادم کے بجائے پُرامن احتجاج کو اپنایا گیا‘ کیونکہ اُس وقت سابقہ کفار سے تھا اور اب شریعت کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ مسلمان ہیں۔ اس اجتہاد کی تائید و توثیق چند سال قبل دیوبندی مکتب فکر کے علماء کرام نے بھی فرمائی۔

امیر محترم نے مزید فرمایا کہ دراصل بنیادی مراحل دو ہی ہیں: ابتدائی مرحلہ اور تکمیلی مرحلہ۔ ابتدائی مرحلے میں کرنے کے کام تین ہیں: دعوت‘ تزکیہ و تربیت‘ تنظیم۔

دعوت: یہ ایک اعتبار سے پورے کام کی بنیاد ہے۔ سب سے پہلے کوئی داعی ہوتا ہے جو مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ کی آواز لگاتا ہے۔ یعنی دین کے تقاضوں کو شعوری طور پر سمجھ لیتا ہے اور پھر آواز لگاتا ہے کہ ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کون میرا ساتھ دے گا؟ اس کے نتیجے میں لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور اس طرح ہم مقصد لوگوں کی ایک جماعت وجود میں آتی ہے۔ اس لحاظ سے دعوت پورے کام کی بنیاد ہے۔ اب دعوت کے کام کو آگے بڑھانا اس مرحلے میں اہم ذمہ داری ہے۔

تزکیہ و تربیت: تزکیہ و تربیت کے بھی دو حصے ہیں‘ ایک کی ذمہ داری تنظیم پر ہے جبکہ دوسرے کی ذمہ داری آپ سب پر عائد ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں تنظیم دیکھے گی کہ کس کس مرحلے میں

تربیت کی ضرورت ہے‘ خاص طور پر دینی اعتبار سے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ پاکستان اور ہندوستان کی تقسیم سے پہلے ہر گھر میں ’’تعلیم الاسلام‘‘ نامی کتاب موجود ہوتی تھی‘ جس میں دین کی ساری بنیادی باتیں موجود ہوتی تھیں‘ جو باقاعدگی کے ساتھ ہر گھر میں پڑھائی جاتی تھی۔ یعنی لوگوں میں دینی شعور تھا۔ اب تو سرے سے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی۔ چنانچہ تزکیہ و تربیت کی آج کے دور میں اشد ضرورت ہے۔ تزکیہ و تربیت کے لیے اجتماعات اور تربیتی مواقع تنظیم فراہم کرے گی اور بقیہ کام آپ سب کو کرنے ہوں گے‘ جیسے نماز کی پابندی‘ تلاوت کا باقاعدگی سے اہتمام‘ سیرت کا مستقل مطالعہ وغیرہ۔ ان سب کے لیے تنظیم آپ کی رہنمائی کر سکتی ہے لیکن اسے آپ پر مسلط نہیں کر سکتی۔ یہ سب کام آپ نے خود ہی کرنے ہیں‘ یعنی ہر شخص نے اپنے وجود پر اللہ کے دین کو قائم کرنا ہے اور اسی کا نام مجاہدہ مع النفس ہے۔

تنظیم سازی: دین کے قیام کے لیے تنظیم کا وجود ناگزیر ہے اور آج ہم اسی مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ اس کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ نظم کی پابندی کی جائے اور تنظیم کو اپنی ترجیحات میں پہلے نمبر پر رکھا جائے‘ کیونکہ زندگی میں قدم قدم پر ایسے مرحلے آئیں گے جہاں آپ نے فیصلہ کرنا ہوگا کہ دین کے قیام کے لیے جدوجہد اور دنیا میں سے کس کو ترجیح دینی ہے۔

امیر محترم نے گھریلو زندگی سے متعلق انتہائی اہم ہدایات دیتے ہوئے فرمایا کہ گھریلو اسرے ضرور قائم کریں‘ بچوں کو نماز کی تلقین کریں‘ بچوں کے اخلاقی حالات پر کڑی نظر رکھیں‘ موبائل انٹرنیٹ وغیرہ کے استعمال میں free hand نہ دیں‘ ان چیزوں کے مثبت استعمال کو یقینی بنائیں۔ دورانِ اذان و نماز اپنے فون بند رکھیں‘ موبائل فون کے بے تحاشا استعمال سے دلوں میں دوریاں پیدا ہوتی ہیں‘ آدمی گھر میں ہوتے ہوئے بھی گھر والوں سے لاتعلق ہوتا ہے‘ بیوی بچوں اور گھریلو معاملات میں دلچسپی نظر نہیں آتی‘ جس کے بالآخر مضر نتائج برآمد ہوتے ہیں‘ لہٰذا ان چیزوں کے بے تحاشا استعمال سے گریز کریں اور اپنے گھروں میں پردے کا خاص اہتمام کریں۔ اس معاملے میں ہمارے اندر جو کمزوری پائی جاتی ہے‘ اسے دُور کیا جائے۔

دعا کے بعد منظّم انداز میں تمام رفقاء کو اجتماع گاہ سے رخصت کیا گیا اور اس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ روحانی مجلس اپنے اختتام کو پہنچی۔

❁❁❁

Jan. 2017
Vol.66

Regd. CPL No.115
No.1

Monthly Meesaq Lahore

رسول اکرم ﷺ کی عظمت، آپ کے مقصد بعثت، اسوۂ رسول ﷺ کے قرآنی تصور، سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف گوشوں، خاص طور پر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے انقلابی پہلو جیسے علمی و عملی موضوعات پر 9 کتابوں کا مجموعہ

رسولِ اکرم ﷺ
اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ

516 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 450 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 300 روپے

خود پڑھیے۔
دوسروں کو تحفہ
میں دیجیے!

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-35869501-042

maktaba@tanzeem.org